سورة العنكبوت

آیاتہا ۶۹ — ۲۹ سورۃ العنکبوت مکیۃ ۸۵ — رکوعاتہا ۷

حضرت حسن بصری، عکرمہ، عطا اور حضرت جابر کے نزدیک تمام سورت مکی ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے دو قولوں میں سے ایک قول (2) اور حضرت قتادہ کے نزدیک یہ تمام سورت مدنی ہے۔ ان کے دوسرے قول اور یہی یحییٰ بن سلام کا قول ہے کہ یہ سورت مکی ہے مگر اس کی پہلی دس آیات مدنی ہیں (3)، کیونکہ وہ آیات مدینہ طیبہ میں ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئیں۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے یہ کہا: یہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان نازل ہوئیں یہ ننانوے آیات ہیں (4)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

الٓمّٓ ۞ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۞ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۞

"الف، لام، میم۔ کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں صرف اتنی بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کہیں: ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا اور بے شک ہم نے آزمایا تھا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے گزرے پس اللہ تعالیٰ ضرور دیکھے گا (ایمان کے) جھوٹے (دعویداروں) کو"۔

الٓمّٓ ۞ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۞ سورتوں کے آغاز میں حروف مقطعات کے بارے میں بات گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے میں اللہ، بہتر جانتا ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سورت کا نام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قرآن کا نام ہے۔ اَحَسِبَ میں ہمزہ استفہام کا ہے مراد تقریر و توبیخ ہے۔ حَسِبَ کا معنی ظن ہے۔ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا محل نصب میں ہے جس کو نصب حَسِبَ نے دی ہے۔ سیبویہ کے قول کے مطابق یہ اور اس کا صلہ دو مفعولوں کے قائم مقام ہیں۔ اَنْ يَّقُوْلُوْٓا میں ان دو توجیہوں میں سے ایک توجیہ کے مطابق محل نصب میں ہے۔ معنی ہے لأن يقولوا، بأن يقولوا، على أن يقولوا۔

دوسری جہت کی بنا پر اس میں تکرار ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا احسبوا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ۔

حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء نے کہا: النَّاسُ سے مراد مومنوں کی قوم ہے (5) جو مکہ مکرمہ میں تھے قریش کے کفار

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 274 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً 5۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 365

اسلام قبول کرنے کی وجہ سے انہیں اذیتیں اور تکالیف دیا کرتے تھے، جس طرح حضرت سلمہ بن ہشام، عیاش بن ابی ربیعہ، حضرت ولید بن ولید، حضرت عمار بن یاسر، حضرت یاسران کے والد، ان کی والدہ حضرت سمیہ اور بنی مخزوم کے کچھ افراد وغیرہ۔ یہ آیت نازل ہوئی تا کہ تسلی دے اور تعلیم دے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں میں یہی معمول ہے کہ وہ مومنوں کو آزماتا ہے اور فتنہ میں ڈالتا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: اگر چہ یہ آیت اسی سبب سے نازل ہوئی یا اس معنی میں جو اقوال ہیں ان میں نازل ہوئی۔ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں باقی ہے اس کا حکم آخر زمانہ تک موجود رہے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آزمائش مسلمانوں کی سرحدوں میں باقی رہے گی کبھی کسی کو گرفتار کر لیا جائے گا، کبھی دشمن کی جانب سے کوئی اذیت پہنچے گی اس کے علاوہ بھی صورتحال ہو سکتی ہے۔ اگر ہر جگہ کا اعتبار کیا جائے تو بھی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ بیماریاں واقع ہوں اور مختلف قسم کے امتحان واقع ہوں، لیکن وہ مصیبت جو قریش کی جانب سے واقع ہوئی اس کے مشابہ وہ ہے جو سرحد پر دشمن کی جانب سے واقع ہو سکتی ہے جس کا ذکر ہم نے ابھی کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: انہوں نے جو کہا کتنا اچھا کہا، جو کہا سچ کہا۔ مقاتل نے کہا: یہ آیت حضرت مجع جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غلام تھا اس کے بارے میں نازل ہوئی (1)۔ یہ غزوہ بدر کے موقع پر مسلمانوں کی جانب سے پہلا شہید تھا۔ عامر بن حضرمی نے اسے تیر مارا اور اسے شہید کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر فرمایا: سید الشھدا مھجع وھو اول من یدعی الی باب الجنۃ من ھذہ الامۃ، شہیدوں کا سردار مجع ہے یہ اس امت کا وہ پہلا شخص ہے جسے جنت کے دروازے کی طرف دعوت دی جائے گی۔ اس کے والدین اور اس کی بیوی نے اس پر جزع فزع کی تو یہ آیات نازل ہوئیں۔

شعبی نے کہا: اس سورت کا آغاز ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوا (2) جو مسلمانوں میں سے مکہ مکرمہ میں تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے حدیبیہ سے انہیں خط لکھے کہ تمہارا اسلام کا اقرار کرنا قبول نہ کیا جائے گا یہاں تک کہ تم ہجرت نہ کر و وہ نکلے تو مشرکوں نے ان کا پیچھا کیا اور انہیں اذیتیں دیں تو ان کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئی تو صحابہ نے انہیں خط لکھے کہ ان کے بارے میں فلاں فلاں آیت نازل ہوئی ہے تو انہوں نے کہا: ہم نکلیں گے اگر کسی نے ہمارا پیچھا کیا تو ہم اس سے جنگ کریں گے۔ مشرکوں نے ان کا پیچھا کیا تو انہوں نے ان سے جنگ کی ان میں سے کچھ قتل ہوئے اور کچھ نجات پا گئے۔ تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا (النحل: 110)

وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ کہ ان کا امتحان نہ لیا جائے گا۔ کیا ان لوگوں نے گمان کر لیا ہے جنہوں نے مشرکوں کی اذیتوں سے گھبراہٹ کا اظہار کیا کہ ان کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ کہہ دیں کہ ہم مومن ہیں اور ان کے ایمان، ذات اور اموال میں امتحان نہ لیا جائے گا جس سے ان کے ایمان کی حقیقت واضح ہو جائے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ہم نے گزشتہ لوگوں کو بھی آزمایا جس طرح حضرت خلیل کو آگ میں پھینکا گیا اور جس طرح

1۔ جامع اسباب النزول، سورۂ عنکبوت، صفحہ 257 2۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 365

کہ وہ قوم جو اللہ تعالیٰ کے دین کی وجہ سے آریوں سے چیر دی گئی تو وہ اس سے نہ پلٹے۔ امام بخاری نے حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں شکایت کی جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے سائے میں چادر کو تکیہ بنائے ہوئے تھے ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے مدد طلب نہیں کریں گے؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے دعا نہیں کریں گے؟ فرمایا: ''تم سے قبل ایک آدمی کو پکڑا جاتا زمین میں اس کے لیے گڑھا کھودا جاتا آری لائی جاتی، اسے اس کے سر پر رکھ دیا جاتا تو اس کو نصف نصف کر دیا جاتا اس کے گوشت اور ہڈیوں کو لوہے کی کنگی سے جسم سے الگ کیا جاتا تو یہ عمل اسے اس کے دین سے نہ پھیر سکتا۔ اللہ کی قسم! یہ امر مکمل ہو کر رہے گا یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گا، تو اسے کسی چیز کا خوف نہ ہوگا سوائے اللہ اور ریوڑ پر بھیڑیئے کے لیکن تم تو جلدی مچا رہے ہو'' (1)۔

امام ابن ماجہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ آپ کو سخت بخار تھا میں نے اپنا ہاتھ آپ پر رکھا تو میں نے لحاف کے اوپر سے اپنے ہاتھ میں آپ کے جسم کی حرارت کو پایا۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپ پر کس قدر شدید ہے؟ فرمایا: ''ہمارے لیے اسی طرح آزمائش کئی گنا ہوتی ہے اور ہمارے لیے کئی گنا اجر ہوتا ہے'' (2)۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سے از روئے آزمائش کے کون سب سے سخت ہیں؟ فرمایا: ''انبیاء''۔ میں نے عرض کی: پھر کون؟ فرمایا: ''پھر صالحین (3)۔ ان میں سے کسی کو فقر سے آزمایا جاتا ہے وہ کوئی چیز نہیں پاتے مگر عباء جسے پھاڑ کر وہ گریبان بنا لیتا ہے ان میں سے کوئی آزمائش سے یوں خوش ہوتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی ایک خوشحالی سے خوش ہوتا ہے''۔ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: میں نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سے کون سخت مصیبت والا ہوتا ہے؟ فرمایا: ''انبیاء، پھر درجہ میں ان سے نیچے پھر درجہ میں ان سے نیچے ایک آدمی کو اس کے دین کے حساب سے آزمائش میں ڈالا جاتا ہے آزمائش بندے کے ساتھ رہتی ہے یہاں تک کہ وہ اسے یوں کر چھوڑتی ہے کہ وہ زمین پر چلتا ہے تو اس پر کوئی خطا نہیں ہوتی'' (4)۔

عبدالرحمن بن زید نے روایت کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک وزیر تھا ایک دن وہ سوار ہوا تو ایک درندے نے اسے پکڑ لیا اور اسے کھا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! تیرے دین میں میرا وزیر، بنی اسرائیل پر میرا نائب اور ان میں میرا خلیفہ تو نے اس پر ایک درندہ مسلط کر دیا تو وہ درندہ اسے کھا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں اس کا میرے ہاں بلند مرتبہ تھا میں نے اس کا کوئی عمل ایسا نہ پایا جو اسے اس مقام تک پہنچائے تو میں نے اسے اس آزمائش میں ڈالا تو یہ عمل اسے اس مقام تک پہنچا دے گا۔ وہب نے کہا: میں نے حواری کی ایک کتاب میں دیکھا جب اللہ تعالیٰ تجھے آزمائش کے راستہ پر چلائے تو آنکھ کو ٹھنڈا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تجھے انبیاء اور صالحین کے راستہ پر چلایا ہے اور جب تجھے خوشحالی کے راستہ پر چلائے تو اپنی ذات پر رو تحقیق تجھے ان کے راستہ سے مختلف راستہ پر چلایا گیا ہے۔

1۔ صحیح بخاری، باب علامات النبوۃ، صفحہ 510

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، صفحہ 411، حدیث نمبر 4024

3۔ الترغیب والترہیب، صفحہ 282، حدیث نمبر 16

4۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب الصبر علی البلاء، صفحہ 411

فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا تا کہ جو ایمان میں سچے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں دکھائے۔ سورۂ بقرہ اور دوسری سورتوں میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ زجاج نے کہا: تا کہ اللہ تعالیٰ صادق کے صدق کو اس کی جانب سے صدق کے وقوع کو جانے جب کہ اللہ تعالیٰ صادق کو کاذب سے ان دونوں کی تخلیق سے پہلے بھی جانتا ہے لیکن یہاں ارادہ اس علم کے وقوع کا ہے جس پر جزا دے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ صادق کے صدق کو واقع اور اس کے وقوع کو واقع ہونے والا جانتا ہے جب کہ وہ پہلے ہی جانتا ہے کہ ایسا وقوع ہوگا۔ نحاس نے کہا: اس میں دو قول ہیں (۱) صَدَقُوْا یہ صدق سے مشتق ہے اور الْكٰذِبِيْنَ کذب سے مشتق ہے جو صدق کی ضد ہے۔ معنی ہوگا انہوں نے جو سچ بولا اللہ تعالیٰ اسے واضح فرمائے گا۔ انہوں نے کہا تھا: ہم مومن ہیں اور اس کی مثل اعتقاد کیا۔ جب انہوں نے اس کے خلاف اعتقاد رکھا تو انہوں نے جھوٹ بولا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ صَدَقُوْا یہ صدق سے مشتق ہے جو صلب ہے اور الْكٰذِبِيْنَ یہ کذب سے مشتق ہے جس کا معنی شکست کھانا ہے تو معنی ہوگا اللہ تعالیٰ انہیں جانے جو جنگ میں ثابت قدم رہے اور جنہوں نے شکست کھائی۔ جس طرح شاعر نے کہا:

لَيْثٌ بِعَثَّرَ يَصْطَادُ الرجالَ إذا ما اللَّيْثُ كَذَّبَ عن أقرانه صَدَقَا

عثر کے مقام پر شیر بہادروں کا شکار کرتا ہے وہ اس وقت بہادری کا مظاہرہ کرتا ہے جب شیر اپنے ہم پلہ افراد سے پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

لَيَعْلَمَنَّ کے لفظ کو فَلَيُبَيِّنَنَّ کی جگہ مجازاً ذکر کیا۔ جماعت کی قراءت فليعلمن یاء اور لام کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے یاء کے ضمہ اور لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ اسی معنی کی وضاحت کرتی ہے جو نحاس نے کہا: یہ لفظ تین معانی کا احتمال رکھتا ہے (۱) ان صادقین اور کاذبین کو ان کے ثواب اور عقاب کی منازل اور دنیا میں جو ان کے اعمال تھے آخرت میں انہیں آگاہ کر دے (۲) مفعول اوّل محذوف ہے اس کی تقدیر یہ ہوگی لوگوں اور عالم کو ان صادقین اور کاذبین پر آگاہ کر دے یعنی انہیں رسوا کر دے اور انہیں مشہور کر دے۔ صادقین خیر میں اور کاذبین شر میں مشہور ہو جائیں۔ یہ دنیا اور آخرت دونوں میں ہوگا (۳) یہ فعل علامت سے مشتق ہے یعنی ہر طائفہ کے لیے ایک علامت بنا دے جس کے ساتھ وہ مشہور ہو جائے۔ اس تعبیر کی بنا پر یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی طرف اشارہ کرتی ہے: من أسر سريرة ألبسه الله رداءها(1) "جس نے راز کو پوشیدہ رکھا اللہ تعالیٰ اسے چادر زیب تن کرائے گا"۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 306

''کیا خیال کر رکھا ہے انہوں نے جو کر رہے ہیں برے کرتوت کہ وہ ہم سے آگے نکل جائیں گے بڑا غلط فیصلہ ہے جو وہ کر رہے ہیں۔ جو شخص امید رکھتا ہے اللہ تعالیٰ سے ملنے کی تو (وہ سن لے) کہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا وقت ضرور آنے والا ہے اور وہی ہر بات سننے والا ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اور جو شخص کوشش کرتا ہے (حق کو سربلند کرنے کی) تو وہ اپنے فائدے کے لیے ہی کوشاں ہے، بے شک اللہ تعالیٰ غنی ہے تمام کائنات سے اور جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے تو ہم دور کر دیں گے ان سے ان کی برائیوں (کی نحوست) کو اور ہم انہیں بہت عمدہ بدلہ دیں گے ان (اعمال حسنہ) کا جو وہ کیا کرتے تھے''۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ، السَّیِّاٰتِ سے مراد شرک ہے اَنْ یَّسْبِقُوْنَا وہ ہماری گرفت سے نکل سکتے ہیں اور ہمیں عاجز کر سکتے ہیں قبل اس کے کہ ہم ان کا مواخذہ کریں ان اعمال کا جو وہ کرتے رہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اَلَّذِیْنَ سے مراد ولید بن مغیرہ، ابوجہل، اسود، عاص بن ہشام، شیبہ، عتبہ، ولید بن عتبہ، عقبہ بن ابی معیط، حنظلہ بن ابی سفیان اور عاص بن وائل ہیں۔ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ انہوں نے اپنے رب کی صفات میں جو یہ فیصلہ کیا وہ کتنا برا فیصلہ ہے کہ اس پر سبقت لی جا سکتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔ مَا محل نصب میں ہے یہ ساء شیئا او حکما یحکمون کے معنی میں ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مَا محل رفع میں ہو معنی ہو گا ساء الشیء او الحکم حکمھم؛ یہ زجاج کا قول ہے۔ ابن کیسان نے ان دو تقدیروں کے علاوہ دو اور تقدیریں مقدر کی ہیں۔ (۱) مَا یَحْكُمُوْنَ شئی واحد کی جگہ ہے جس طرح تو کہتا ہے: اعجبنی ما صنعت، یہاں ما صنعك، صنیعك کے معنی میں ہے مَا اور فعل مصدر کے حکم میں ہیں اور محل رفع میں ہیں۔ تقدیر کلام یہ ہو گی ساء حکمھم، دوسری تقدیر یہ ہے کہ مَا کا اعراب میں کوئی محل نہ ہو۔ یہ سَآءَ کے اسم کے قائم مقام ہے اسی طرح نعم اور بئس ہے۔ ابوالحسن بن کیسان نے کہا: میں اس امر کو پسند کرتا ہوں کہ جہاں تک میں قادر ہوں کہ میں مَا کا کوئی محل بناؤں (1)۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ (آل عمران: 159) اسی طرح فَبِمَا نَقْضِهِمْ (النساء: 155) اور اسی طرح اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ قَضَیْتُ (القصص: 28) ان تمام مواقع پر مَا محل جر میں ہے اور اس کا مابعد اس کے تابع ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَا یَسْتَحْیٖۤ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً (البقرہ: 26) اس میں مَا محل نصب میں ہے اور بعوضۃ اس کے تابع ہے۔

مَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ، یَرْجُوْا یہ یخاف کے معنی میں ہے ہذلی شہد اتارنے والے کے بارے میں کہتا ہے،

اذا لسعتہ النحل لا یرجُ لسعها

جب شہد کی مکھیاں اسے ڈستی ہیں تو وہ ان کے ڈنگوں سے نہیں ڈرتا۔

اہل تفسیر نے اس پر اجماع کیا ہے کہ معنی ہے جو آدمی موت سے ڈرتا ہے تو وہ عمل صالح کرے کیونکہ موت کا آنا ضروری ہے؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔ زجاج نے کہا: یَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ کا معنی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ثواب کی امید رکھتا ہے (2)۔ مَنْ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 306 2۔ ایضاً

مبتدا ہونے کی حیثیت سے محل رفع میں ہے۔ کَانَ یہ خبر کے محل میں ہے۔ یہ شرط کی وجہ سے محل جزم میں ہے۔ یَرْجُوْا کان کی خبر کی جگہ اور جزا فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ہے۔

وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا یُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ جو آدمی دین میں جہاد کرتا ہے، کفار سے قتال اور طاعات کے اعمال پر صبر کرتا ہے۔ تو وہ اپنے لیے ہی کوشاں ہوتا ہے، یعنی ان کا سب کا ثواب اسے ہی ملے گا۔ ان میں سے کسی چیز کا نفع اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں لوٹے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال سے غنی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے جو آدمی اپنی ذات کے لیے اس کے دشمن سے جہاد کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ نہیں رکھتا تو اللہ تعالیٰ کو اس کے جہاد کی کوئی ضرورت نہیں۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا جنہوں نے تصدیق کی وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ ہم مغفرت کے ساتھ ان کو ڈھانپ لیں گے۔ وَلَنَجْزِیَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِیْ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ان کے احسن اعمال جو طاعات ہیں کا بدلہ دیں گے۔ پھر یہ کہا گیا: یہ احتمال موجود ہے ان کی ہر وہ معصیت بخش دے گا جو انہوں نے حالت شرک میں کی۔ اور حالت اسلام میں جو انہوں نے اعمال حسنہ کیے ان پر ان کو ثواب دیا جائے گا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ کفر اور اسلام دونوں میں ان سے واقع ہونے والی سیئات کو بخش دے گا اور حالت کفر و اسلام میں انہوں نے جو نیکیاں کیں ان پر انہیں بدلہ دیا جائے گا۔

وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حُسْنًا ؕ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِی الصّٰلِحِیْنَ ۝

''اور ہم نے حکم دیا انسان کو کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اگر وہ یہ کوشش کریں تیرے ساتھ کہ تو شریک بنائے کسی کو میرا جس کے متعلق تجھے کوئی علم نہیں تو (اس بات میں) ان کی اطاعت نہ کر، میری طرف ہی تمہیں لوٹنا ہے پھر میں آگاہ کروں گا تمہیں ان اعمال سے جو تم کیا کرتے تھے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال بھی کیے تو ہم ضرور شامل کریں گے انہیں نیکوں (کے زمرہ) میں''۔

وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حُسْنًا یہ آیت حضرت سعد بن ابی وقاص کے بارے میں نازل ہوئی (1)۔ امام ترمذی نے اس بارے میں روایت کی ہے۔ فرمایا: میرے بارے میں چار آیات نازل ہوئیں۔ اور واقعہ ذکر کیا۔ حضرت سعد کی والدہ نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے نیکی کا حکم نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں کھانا نہیں کھاؤں گی اور میں پانی نہیں پیوں گی یہاں تک کہ میں مر جاؤں یا تو کفر کرے۔ کہا: جب لوگ اس کو کھانا کھلانے کا ارادہ کرتے تو اس کے منہ میں لکڑی دیتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (2)۔ حضرت سعد سے مروی ہے کہ میں اپنی ماں کے ساتھ بڑی نیکی کرتا میں اسلام لایا تو اس نے کہا: تو اپنے دین کو چھوڑے گا یا میں نہ کھاؤں گی اور نہ پیوں گی یہاں تک کہ میں مر جاؤں تو تجھے میری وجہ

1۔ جامع ترمذی، ابواب فضائل القرآن عن رسول اللہ، جلد 2، صفحہ 150

2۔ سنن ترمذی، باب من سورۃ العنکبوت، حدیث نمبر 3113، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سے عار دلائی جائے گی اور کہا جائے گا: اے اپنی ماں کے قاتل! وہ ایک دو دن اسی طرح رہی۔ میں نے کہا: اے میری ماں! اگر تیری سو جانیں ہوں اور وہ ایک ایک نفس نکلیں تب بھی میں اس دین کو نہیں چھوڑوں گا، چاہے تو کھا چاہے تو نہ کھا۔ جب اس نے یہ دیکھا تو اس نے کھانا کھالیا اور یہ آیت نازل ہوئی (1)۔

وَ اِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت عیاش بن ابی ربیعہ جو ابو جہل کا ماں کی جانب سے بھائی تھا کے حق میں نازل ہوئی۔ اس کی ماں نے بھی اسی طرح کیا۔ ان سے یہ قول بھی مروی ہے: یہ آیت تمام امت کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ صدیق کے علاوہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی آزمائش پر صبر نہیں کرتا۔ حُسْنًا بصریوں کے نزدیک تکریر کے طور پر منصوب ہے یعنی وصینا حسنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ماقبل کلام سے قطع کے طور پر منصوب ہے اس کی تقدیر یہ ہوگی وصیناہ بالحسن، جس طرح تو کہتا ہے: وصیتہ خیرا، وصیتہ بالخیر۔ اہل کوفہ نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے ووصینا الانسان ان یفعل حسنا فَیُقَدَّرُ لہ فعلٌ۔ ہم نے انسان کو تاکیدی حکم دیا کہ وہ اچھا عمل کرے تو اس کے لیے فعل مقدر کر دیا جاتا ہے۔

شاعر نے کہا:

عَجِبتُ من دَهْمَاء إذ تَشکونَا(2) ومن أبی دَهْمَاءَ إذ یُوصِینَا
خیرًا بها کأنما خافونا

میں اس گروہ پر متعجب ہوتا ہوں جو ہماری شکایت کرتا ہے اور جماعت کے سردار سے متعجب ہوتا ہوں جو ہمیں وصیت کرتا ہے کہ ہم ان کے ساتھ حسن سلوک کریں گویا وہ ہمارے ماں جائے ہیں۔

تقدیر کلام یہ ہے: یوصینا أن نفعل بها خیرا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَطَفِقَ مَسْحًۢا (ص:33) تقدیر کلام یہ ہے: یمسح مسحا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے: ووصینا أمرا ذا حسن صفت کو موصوف کے قائم مقام رکھا گیا تھا، مضاف کو حذف کر دیا گیا اور مضاف الیہ کو اس کی جگہ رکھ دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے ألزمناہ حسنا ہم نے اس پر اچھا کام لازم کیا۔ عام قراءت حاء کے ضمہ اور سین کے سکون کے ساتھ ہے۔ ابو رجاء، ابو عالیہ اور ضحاک نے حاء اور سین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ جحدری نے احسانا مفعول مطلق کے طور پر پڑھا ہے، اسی طرح حضرت ابی کے مصحف میں ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے: ووصینا الإحسان أن تحسن إلیهما احسانا یہ وصینا کے ساتھ منصوب نہیں کیونکہ اس کے پہلے ہی دو مفعول موجود ہیں۔ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ والدین کی طاعت میں وعید ہے یعنی جو ان کی اطاعت نہ کرے اور اس امر کا انکار کرے اس کے لیے وعید ہے۔ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِی الصّٰلِحِیْنَ ۝ مومنین کی حالت کی تمثیل کو مکرر ذکر کیا تاکہ نفوس میں حرکت پیدا کی جائے تاکہ یہ لوگ بھی ان کے مراتب کو حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِی الصّٰلِحِیْنَ معنی میں مبالغہ کے طور پر لام ذکر کی یعنی وہ لوگ صالحیت میں انتہا اور اس کی آخری حد کو پانے والے ہیں جب مومن کے لیے یہ حکم حاصل ہو جاتا ہے تو اس کا ثمرہ اور جزا بھی حاصل ہو جاتی ہے جو جنت ہے۔

1۔ صحیح مسلم، فضائل الصحابہ، سعد بن ابی وقاص، جلد 2، صفحہ 281 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 308

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَاۤ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ
اللّٰهِ ؕ وَ لَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَ لَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا
فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰ وَ لَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝۱۱

''اور بعض لوگ ہیں جو کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے اللہ تعالیٰ پر پھر جب ستایا جائے اسے راہ خدا میں تو بنا لیتا ہے لوگوں کی آزمائش کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کے برابر اور اگر آ جائے نصرت آپ کے رب کی طرف سے تو وہ کہنے لگتے ہیں: ہم تو تمہارے ساتھ تھے کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہر اس چیز کو جو لوگوں کے سینوں میں (پنہاں) ہے اور ضرور دیکھ لے گا اللہ تعالیٰ انہیں جو ایمان لائے اور ضرور دیکھ لے گا منافقوں کو''۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ یہ آیت منافقین کے حق میں نازل ہوئی جو کہتے تھے: ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے۔ فَاِذَاۤ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ فتنہ سے مراد اذیت ہے۔ كَعَذَابِ اللّٰهِ جس طرح آخرت میں اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے تو وہ اس پر ایمان لانے سے مرتد ہو گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس سے یوں جزع فزع کرتا ہے جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے جزع فزع کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اذیت پر صبر نہیں کرتا۔

وَ لَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اگر تیرے رب کی جانب سے مومنوں کو مدد پہنچے گی تو یہ مرتد کہیں گے: ہم تمہارے ساتھ ہیں جب کہ وہ جھوٹے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا: اَوَ لَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ یعنی اللہ تعالیٰ ان کی نسبت ان کے سینے میں جو کچھ ہے اس کو خوب جانتا ہے۔ مجاہد نے کہا: ایسے لوگوں کے بارے میں آیت نازل ہوئی جو اپنی زبانوں سے ایمان رکھتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے انہیں کوئی آزمائش یا ان کی ذاتوں میں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو فتنہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں (1)۔ ضحاک نے کہا: یہ آیت مکہ مکرمہ میں موجود منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ ایمان لاتے اور جب انہیں اذیت دی جاتی تو شرک کی طرف لوٹ جاتے۔ عکرمہ نے کہا: کچھ لوگ تھے جو اسلام لے آئے تھے مشرکوں نے انہیں مجبور کیا کہ وہ ان کے ساتھ بدر کی طرف نکلیں تو ان میں سے بعض قتل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْۤ اَنْفُسِهِمْ (النحل: 28) تو مدینہ طیبہ کے مسلمانوں نے مکہ مکرمہ میں موجود مسلمانوں کی طرف خط لکھا وہ نکلے تو پیچھے سے مشرکوں نے انہیں آلیا تو بعض آزمائش میں مبتلا ہو گئے تو یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی (2)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت عیاش بن ابی ربیعہ کے حق میں نازل ہوئی وہ مسلمان ہوا، ہجرت کی پھر اسے اذیت دی گئی اور اسے مارا گیا تو وہ مرتد ہو گیا۔ اسے ابو جہل اور حرث نے تکلیفیں دیں یہ دونوں ماں کی جانب سے اس کے بھائی تھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: پھر وہ بعد میں طویل عرصہ تک زندہ رہا اور بہت اچھا مسلمان ثابت ہوا۔ وَ لَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ قتادہ نے کہا: یہ ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جن کو مشرکین نے مکہ مکرمہ کی طرف واپس کیا (3)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 20، صفحہ 154 2۔ ایضاً، جلد 20، صفحہ 155 3۔ ایضاً

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَ لْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَ مَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱۲ وَ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ٞ وَ لَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۱۳

''اور کہا کافروں نے ایمان والوں سے: تم چلو ہماری راہ پر اور ہم اٹھالیں گے تمہارے گناہوں (کے بوجھ) کو اور وہ نہیں اٹھا سکتے ان کے گناہوں سے کچھ بھی وہ بالکل جھوٹ بول رہے ہیں اور وہ ضرور اٹھائیں گے اپنے بوجھ، اور دوسرے کئی بوجھ اپنے (گناہوں کے) بوجھوں کے ساتھ اور ان سے باز پرس ہوگی قیامت کے دن ان (جھوٹوں) کے متعلق جو وہ گھڑا کرتے تھے''۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا، سَبِيْلَنَا سے مراد ہمارا دین ہے۔ وَ لْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ امر کی وجہ سے فعل مضارع کو جزم دی گئی۔ فراء اور زجاج نے کہا: یہ شرط وجزا کی تاویل میں امر ہے۔ مراد اگر تم ہمارے دین کی اتباع کرو تو ہم تمہاری خطاؤں کو اٹھالیں گے۔ جس طرح شاعر نے کہا:

فقلتُ ادعی وأدعُ فإنّ أندی لِصوتٍ أن یُنادیَ داعیانِ(1)

میں نے کہا: اگر تو بلائے تو میں بھی بلاؤں گا بے شک زیادہ اونچی آواز اس وقت ہوتی ہے جب دو بلانے والے دعوت دیں۔ شعر میں ادعی وادع شرط وجزا کی صورت میں ہیں ان دعوتِ دعوتُ۔

مہدوی نے کہا: اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ کا اس کے بعد وقوع، معنی پر حمل کرنے کی وجہ سے ہے، کیونکہ معنی ہے اگر تم ہمارے دین کی اتباع کرو تو ہم تمہاری خطاؤں کو اٹھائیں گے۔ جب صیغہ امر معنی میں خبر کی طرف راجع ہوتا ہے تو اس پر تکذیب واقع ہوتی ہے جس طرح خبر پر واقع ہوتی ہے۔ مجاہد نے کہا: قریش میں سے مشرکوں نے کہا: ہمیں اور تمہیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا۔ اگر تم پر کوئی بوجھ ہوا تو وہ ہم پر ہوگیا، یعنی جو تم پر لازم ہوگا وہ ہم پر لازم ہوگا۔ یہاں حمل حمالہ کے معنی میں ہے یعنی ذمہ داری اٹھانے کے معنی میں ہے یہ پشت پر اٹھانے کے معنی میں نہیں ہے۔ روایت کی گئی ہے: یہ قول کرنے والا ولید بن مغیرہ ہے۔

وَ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ان کی حسنات سے فارغ ہونے کے بعد اس کے گناہ ان کے ذمہ کر دیئے جائیں گے جن پر انہوں نے ظلم کیا تھا اس کا معنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ سورۂ آل عمران میں بحث پہلے گزر چکی ہے۔ حضرت ابو امامہ باہلی نے کہا: قیامت کے روز ایک آدمی لایا جائے گا جب کہ اس کی نیکیاں زیادہ ہوں گی اس سے لگاتار قصاص لیا جاتا رہے گا یہاں تک کہ اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی پھر اس سے مطالبہ کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میرے بندے سے قصاص (بدلہ) لو۔ فرشتے عرض کریں گے: اس کی تو نیکیاں باقی نہیں رہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: مظلوم کی برائیاں اس سے لے لو اور اس کے ذمہ کر دو۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت وَ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ کی تلاوت کی۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 20، صفحہ 156

قتادہ نے کہا: جس نے گمراہی کی طرف دعوت دی اس پر اس کا بوجھ ہوگا اور جس نے اس پر عمل کیا اس کا بوجھ بھی اس پر ہو گا، ان کے بوجھوں میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِيَحْمِلُوٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَ مِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ (النحل: 25) اس کی مثل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من سنّ فی الاسلام سنة سيئة فعليه وزرها ووزر من عمل بها بعده من غير أن ينقص من اوزارهم شئ، (1) جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ شروع کیا تو اس پر اس کا بوجھ ہوگا اور اس کا بھی بوجھ ہوگا جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا جب کہ ان کے بوجھوں میں سے کوئی کمی نہ کی جائے گی؛ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے راویوں سے روایت مروی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس آدمی نے ہدایت کی طرف دعوت دی اس کی پیروی کی گئی اور اس پر عمل کیا گیا تو اس کے لیے ان کے اجروں کی مثل اجر ہوگا جنہوں نے اس کی اتباع کی، ان کے اجروں میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ جس داعی نے گمراہی کی طرف دعوت دی اس کی پیروی کی گئی اور اس کے بعد اس پر عمل کیا گیا تو اس پر ان کے بوجھوں کی مثل بوجھ ہوگا جنہوں نے اس کی اتباع کی ان کے بوجھوں میں سے کچھ بھی کمی نہ کی جائے گی"۔ پھر حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تلاوت کی: وَ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ۔

میں کہتا ہوں: یہ مرسل ہے، یہ ہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا معنی ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے نقل کیا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کا متن یہ ہے: أيما داع دعا إلى ضلالة فاتبع فإن له مثل اوزار من اتبعه ولا ينقص من اوزارهم شيئا وأيما داع دعا إلى هدى فاتبع فإن له مثل أجور من اتبعه ولا ينقص من أجورهم شيئا ابن ماجہ نے اسے سنن میں نقل کیا ہے۔ جو بھی داعی گمراہی کی طرف دعوت دے تو اس کی اتباع کی جائے تو اس کے لیے ان کے بوجھوں کی مثل بوجھ ہوگا جنہوں نے اس کی اتباع کی اور ان کے بوجھوں میں کوئی کمی نہ کی جائے گی اور جو بھی دعوت دینے والا ہدایت کی طرف دعوت دے تو اس کی اتباع کی جائے تو اس کے لیے ان کے اجروں کی مثل اجر ہوگا جنہوں نے اس کی اتباع کی اور ان کے اجروں میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔

اس باب میں حضرت ابوجحیفہ اور حضرت جریر سے مروی حدیث بھی ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ظالم کے مددگار ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد اس کے بدعتی ہیں جب ان بدعتیوں کی اتباع کی جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نئے نئے کام کرنے والے جب ان کے بعد ان پر عمل کیا جائے۔ معنی قریب قریب ہے حدیث سب کو جامع ہے۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَ هُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَ جَعَلْنٰهَاۤ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

1۔ صحیح مسلم، باب الحث علی الصدقة، جلد 1، صفحہ 327

2۔ ابن ماجہ، باب من سن سنة حسنة الخ، حدیث نمبر 202، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

''اور بے شک ہم نے بھیجا نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف تو وہ ٹھہرے رہے ان میں پچاس کم ہزار سال، آخر کار آ لیا انہیں طوفان نے اس حال میں کہ وہ ظالم تھے۔ پس ہم نے نجات دے دی نوح کو اور کشتی والوں کو اور ہم نے بنا دیا اس کشتی کو ایک نشانی سارے جہان والوں کے لیے''۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جائے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل بھی انبیاء کو کفار کی وجہ سے آزمایا گیا تو انہوں نے صبر کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ وہ پہلے رسول تھے جن کو زمین کی طرف مبعوث کیا گیا۔ سورۂ ہود میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے کہ زمین کفر سے بھر چکی تھی۔ کسی نبی نے اپنی قوم سے ایسی تکالیف نہ اٹھائیں جیسی تکالیف حضرت نوح علیہ السلام نے اٹھائیں، جس طرح حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے سورۂ ہود میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

قتادہ نے حضرت انس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ''سب سے پہلے جو نبی بھیجا گیا وہ حضرت نوح علیہ السلام تھے'' (1)۔ قتادہ نے کہا: انہیں جزیرہ سے مبعوث کیا گیا۔ ان کی عمر کتنی تھی اس میں اختلاف ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کی عمر وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کی ہے۔ قتادہ نے کہا: انہیں دعوت دینے سے قبل حضرت نوح علیہ السلام تین سو سال تک رہے۔ اور تین سو سال تک دعوت دی اور طوفان کے بعد تین سو پچاس سال تک رہے (3)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیا گیا آپ اپنی قوم کے درمیان نو سو پچاس سال تک رہے اور لوگوں کے غرق ہونے کے بعد ساٹھ سال تک رہے، یہاں تک کہ لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگئی اور لوگ عام ہو گئے (4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک قول یہ بھی مروی ہے: آپ کو جب مبعوث کیا گیا تو آپ کی عمر اڑھائی سو سال تھی اور آپ اپنی قوم میں نو سو پچاس سال تک رہے اور طوفان کے بعد دو سو سال تک رہے۔ وہب نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ایک ہزار چار سو سال تھی۔ کعب احبار نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ایک ہزار بیس سال تھی (5)۔ عون بن ابی شداد نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا جب کہ آپ کی عمر تین سو پچاس سال تھی۔ آپ اپنی قوم میں نو سو پچاس سال تک رہے اور طوفان کے بعد تین سو پچاس سال تک رہے آپ کی عمر ایک ہزار، چھ سو پچاس سال تھی (6)؛ حضرت حسن بصری سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: جب ملک الموت حضرت نوح علیہ السلام کی روح قبض کرنے کے لیے آیا۔ پوچھا: اے نوح! تم دنیا میں کتنے عرصہ رہے؟ فرمایا: مبعوث ہونے سے پہلے تین سو سال ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم میں اور طوفان کے بعد ساڑھے تین سو سال۔ ملک الموت نے کہا: تو نے دنیا کو کیسے پایا؟ حضرت نوح نے کہا: اس گھر کی طرح جس کے دو دروازے ہیں ایک میں سے داخل ہوا اور دوسرے سے نکل گیا۔

حضرت انس سے حدیث مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو ان

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 108 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 278 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً 6۔ ایضاً

کی قوم کی طرف مبعوث کیا جب مبعوث کیا تو عمر اڑھائی سو سال تھی آپ اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال تک رہے اور طوفان کے بعد اڑھائی سو سال تک رہے (1)۔ جب ملک الموت ان کے پاس آیا، تو پوچھا: اے نوح! اے انبیاء میں سب سے بڑے! اے طویل عمر والے! اے وہ جس کی دعائیں قبول ہوتی تھیں! تو نے دنیا کو کیسے پایا؟ آپ نے فرمایا: اس آدمی کی طرح جس نے ایک گھر بنایا جس کے دو دروازے تھے وہ ایک دروازے سے داخل ہوا اور دوسرے دروازے سے نکل گیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان میں سے ایک میں داخل ہوا تھوڑا سا بیٹھا پھر دوسرے دروازے سے نکل گیا۔ ابن وردی نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام نے سرکنڈے کا ایک گھر بنایا، آپ سے عرض کی گئی: کاش آپ اس کے علاوہ بھی گھر بنا لیتے۔ فرمایا: یہ اس کے لیے کثیر ہے جس نے مرنا ہے۔ اور مہاجر نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال تک بالوں سے بنے ایک خیمہ (گھر) میں رہے۔ ان سے عرض کی گئی: اے اللہ کے نبی! کوئی گھر ہی بنا لیجئے۔ فرمایا: میں آج یا کل مر جاؤں گا۔ وہب بن منبہ نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام پر پانچ سو سال گزر گئے آپ عورتوں کے قریب نہ گئے۔ یہ محض موت کے ڈر سے ہوا۔ مقاتل اور جویبر نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام جب بوڑھے ہو گئے آپ کی ہڈیاں نرم ہو گئیں۔ عرض کیا: اے میرے رب! میں کب تک کدوکاوش کرتا رہوں گا؟ فرمایا: اے آدم! یہاں تک کہ تیرا ختنہ کیا ہوا بچہ پیدا ہو۔ تو دس بطنوں (ایک دفعہ جب عورت کو حمل ہو تو اسے بطن کہتے ہیں) کے بعد نوح (2) کی پیدائش ہوئی اس وقت ان کی عمر نو سو چالس سال تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کی عمر نو سو ساٹھ سال تھی؛ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا نسب یوں ہے نوح بن لامک متوشلخ بن ادریس وہ اخنوخ بن یرد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم ہیں (3)۔ حضرت نوح علیہ السلام کا نام سکن تھا ان کا نام سکن اس لیے رکھا گیا کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد لوگ آپ کی بارگاہ سے سکون حاصل کرتے تھے۔ وہ لوگوں کے جد اعلیٰ تھے ان کی اولاد میں سام، حام اور یافث تھے۔ سام کی اولاد میں عرب، فارس اور رومی ہیں ان سب میں خیر ہے۔ حام کی اولاد میں قبطی، حبشی اور بربر ہیں۔ یافث کی اولاد میں ترک، صقالبہ اور یاجوج ماجوج ہیں۔ ان میں کوئی خیر نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سام کی اولاد میں سفید اور گندم گو ہیں، حام کی اولاد میں سیاہ اور تھوڑے سفید ہیں، یافث کی اولاد میں ترک اور صقالبہ زرد اور سرخ ہیں۔ ان کا چوتھا بیٹا تھا جو کنعان تھا جو غرق ہو گیا تھا۔ عرب اسے یام کہتے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو نوح کہتے، کیونکہ آپ نے ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم پر نوحہ کیا، آپ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے رہے۔ جب انہوں نے کفر کیا تو حضرت نوح علیہ السلام ان پر روئے اور ان پر نوحہ کیا۔ قشیری ابو القاسم عبد الکریم نے اپنی کتاب التخبیر میں ذکر کیا: یہ روایت کی جاتی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا نام یشکر تھا لیکن حضرت نوح علیہ السلام اپنی خطا پر بہت زیادہ روئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی: اے نوح! تو کتنے عرصہ تک نوحہ کرتا رہے گا؟ اس وجہ سے آپ کا نام نوح پڑ گیا۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 256
2۔ معروف قول یہی ہے۔
3۔ یہ قول محل نظر ہے کیونکہ بعد میں وضاحت آرہی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام لمک بن متوشلخ کے بیٹے تھے۔

آپ کی خطا کون سی تھی؟ فرمایا: حضرت نوح علیہ السلام ایک کتے کے پاس سے گزرے آپ نے اپنے دل میں کہا: یہ کتنا قبیح ہے؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی کی اس سے بہتر تو بنا دے۔

یزید رقاشی نے کہا: آپ کا نام نوح اس وجہ سے ہوا کیونکہ آپ نے اپنی ذات پر طویل عرصہ تک نوحہ کیا۔ اگر کہا جائے یہ کیوں فرمایا: اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا اسے تسعمائۃ وخمسین عاما نہیں فرمایا۔ اس میں دو جواب ہیں (۱) مقصود عدد کی کثرت کو بیان کرنا ہے۔ الف کا ذکر لفظ اور عدد میں کثیر ہے (۲) یہ روایت کی گئی ہے کہ آپ کو ایک ہزار سال عمر عطا کی گئی تو آپ نے پچاس سال اپنے ایک بیٹے کو عطا کر دیئے۔ جب وفات کا وقت آیا تو ہزار پورا کرنے کی طرف راجع ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ اس بات پر آگاہ کرنے کے لیے ذکر کیا کہ کمی اس (نوح علیہ السلام) کی جہت سے ہے۔

فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ حضرت ابن عباس، حضرت سعید بن جبیر اور قتادہ نے کہا: طوفان سے مراد بارش ہے(1)۔ ضحاک نے کہا: غرق ہونا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد موت ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے(2)، اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

أفناهم طوفانُ موتٍ جارف(3)

تباہی مچانے والی موت کے طوفان نے انہیں فنا کر دیا۔

نحاس نے کہا: یہ ہر اس شے کے لیے طوفان کا لفظ بولا جاتا سکتا ہے جو تمام کا احاطہ کر لے وہ بارش ہو، قتل ہو۔ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ یہ جملہ حال بن رہا ہے۔ اَلْفَ سَنَةٍ ظرف ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا یہ مستثنیٰ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ یہ سیبویہ کے نزدیک مفعول کے قائم مقام ہے مفعول کی طرح اس سے استغناء ہے، جہاں تک مبرد ابو العباس محمد بن یزید کا تعلق ہے اس کے نزدیک یہ مفعول محض ہے۔ گویا تو نے کہا: استثنیت زیدا۔

تنبیہ: حسان بن غالب بن نجیح ابو القاسم مصری مالک بن انس سے وہ زہری سے وہ ابن مسیب سے وہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حضرت جبریل امین میرے ساتھ حضرت عمر کی فضیلت میں مذاکرہ کیا کرتا تھا میں نے پوچھا: اے جبریل! حضرت عمر کی فضیلت کہاں تک پہنچی ہے؟ اس نے کہا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں آپ کے ساتھ اتنا عرصہ رہوں جتنا عرصہ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں رہے ہیں آپ کے سامنے حضرت عمر کی فضیلت بیان نہیں کر سکتا''۔ اسے خطیب ابو بکر احمد بن ثابت بغدادی نے ذکر کیا۔ کہا: حسان بن غالب مالک سے روایت کرنے میں منفرد ہے، اس کی حیثیت ثابت نہیں۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ اصحاب السفینہ کا عطف ہاء ضمیر پر ہے۔ وَجَعَلْنٰهَاۤ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ جَعَلْنٰهَا میں ہا ضمیر سفینہ، عقوبۃ یا نجات کے لیے ہے اس بارے میں تین اقوال ہیں۔

وَ اِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 279 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

تَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّ تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ
تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَ اعْبُدُوْهُ وَ
اشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ وَ اِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَ مَا
عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ اَوَ لَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ
يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝

''اور ابراہیم کو یاد کرو جب آپ نے فرمایا اپنی قوم کو کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس سے ڈرتے رہو، یہی بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو۔ تم تو پوجا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی اور تم گھڑا کرتے ہو نرا جھوٹ، بے شک جن کو تم پوجتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر وہ مالک نہیں تمہارے رزق کے پس طلب کیا کرو اللہ تعالیٰ سے رزق اور اس کی عبادت کیا کرو اور اس کا شکر ادا کیا کرو اس کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے اور اگر تم جھٹلاتے ہو تو (یہ کوئی نئی بات نہیں) جھٹلایا (اپنے نبیوں کو) ان امتوں نے بھی جو تم سے پہلے تھیں اور رسول پر فرض نہیں بجز اس کے کہ وہ (اللہ کا) حکم صاف طور پر پہنچا دے۔ کیا انہوں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کس طرح آغاز فرماتا ہے اللہ تعالیٰ پیدا کرنے کا پھر وہ (کس طرح) اس کا اعادہ کرتا ہے، بلاشبہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے بالکل آسان ہے''۔

وَاِبْرٰهِيْمَ کسائی نے کہا: اِبْرٰهِيْمَ کا لفظ انجینا کی وجہ سے منصوب ہے یعنی اس کا عطف ہا ضمیر پر ہے۔ کسائی نے اسے جائز قرار دیا ہے کہ اس کا عطف نوح پر ہے معنی ہے ہم نے ابراہیم کو بھیجا۔ ایک تیسرا قول ہے کہ یہ اذکر فعل کی وجہ سے منصوب ہو۔ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ اللہ تعالیٰ کی ذات کو عبادت میں خاص کرو۔ وَاتَّقُوْهُ اس کے عقاب اور اس کے عذاب سے ڈرو۔ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ بتوں کی عبادت سے یہ بہتر ہے اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اگر تم جانتے ہو۔

اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا، اوثان کا معنی بت ہیں۔ ابو عبیدہ نے کہا: صنم اسے کہتے ہیں جو سونے، چاندی اور تانبے کا بنایا جاتا ہے اور وثن جو گچ یا پتھر سے بنایا جاتا ہے۔ جوہری نے کہا: وثن سے مراد بت ہے اس کی جمع وُثن اور اوثان آتی ہے جس طرح اُسد اور اوساد۔ وَتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا حضرت حسن بصری نے کہا: تَخْلُقُوْنَ کا معنی ہے تم تراشتے ہو (1)۔ معنی ہے تم بتوں کی عبادت کرتے ہو جب کہ تم خود ان کو بناتے ہو۔

مجاہد نے کہا: الافك سے مراد جھوٹ ہے معنی ہے تم بتوں کی عبادت کرتے ہو جب کہ تم جھوٹ گھڑتے ہو (2)۔ ابو عبدالرحمٰن نے تَخَلَّقُوْنَ قراءت کی ہے اسے تُخلّقون پڑھا گیا ہے یہ خلق سے کثرت کے معنی میں ہے اور تخلقون یہ تخلق سے مشتق ہے۔ جو تکذب اور تخرص کے معنی میں ہے۔ اسے افکا بھی پڑھا گیا ہے اس میں دو وجوہ ہیں: یہ مصدر ہو

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 257 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 311

جس طرح کذب اور لعب ہے افك اس سے مخفف ہے جس طرح کذب اور لعب ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے یہ فعل کے وزن پر صفت کا صیغہ ہے یعنی خلقا افکا یعنی ذا افك و باطل۔ اوثانا یہ تعبدون کی وجہ سے منصوب ہے اور ما کافہ ہے۔ قرآن کے علاوہ میں اوثان کو رفع دینا بھی جائز ہے کہ ما ان کا اسم ہے تعبدون اس کا صلہ ہے اسم کے لمبا ہونے کی وجہ سے ضمیر کو حذف کر دیا۔ اور اوثان کو ان کی خبر بنا دیا۔ وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا یہ فعل کی وجہ منصوب ہے کسی اور کی وجہ سے منصوب نہیں۔ اس طرح لَا یَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ یعنی تم اپنے رزق کے لیے اپنی رغبتوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر دو صرف اسی سے سوال کرو کسی غیر سے سوال نہ کرو۔ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول ہے، یعنی جھٹلانا کفار کی عادت ہے رسولوں پر صرف تبلیغ لازم ہے۔

اَوَلَمْ یَرَوْا كَیْفَ یُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ عام قراءت یاء کے ساتھ ہے یہ خبر اور اس کی توبیخ کے لیے ہے؛ یہ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ ابو عبید نے کہا: امتوں کے ذکر کے لیے یاء کے ساتھ پڑھا گویا فرمایا: اولم یر الامم کیف۔ ابو بکر، اعمش، ابن وثاب، حمزہ اور کسائی نے پڑھا تروا اس وقت یہ خطاب کا صیغہ ہوگا، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاِنْ تُكَذِّبُوْا یہ کہا گیا ہے: وَاِنْ تُكَذِّبُوْا قریش کو خطاب ہے، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول نہیں۔ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ ہا ضمیر سے مراد خلق اور بعث ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے کیا انہوں نے نہیں دیکھا اللہ تعالیٰ پھلوں کو کیسے پیدا فرماتا ہے وہ زندہ ہو جاتے ہیں پھر فنا ہو جاتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ پیدا فرماتا ہے یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے، اسی طرح انسان کی تخلیق کا آغاز فرماتا ہے پھر اس سے بچے کی پیدائش کے بعد ہلاک کر دیتا ہے اس کے بچے سے بچہ جنم لیتا ہے۔ اس طرح باقی حیوانات بھی ہیں جب تم نے ابداء اور ایجاد پر اس کی قدرت کو دیکھ لیا تو وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ کیونکہ جب وہ کسی امر کا ارادہ کرتا ہے تو اسے فرماتا ہے: کن فیکون۔

قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ یُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۚ﴿۲۰﴾ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَرْحَمُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ اِلَیْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ ۫ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ ۠﴿۲۲﴾ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ لِقَآىٕهٖۤ اُولٰٓىٕكَ یَىٕسُوْا مِنْ رَّحْمَتِیْ وَ اُولٰٓىٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۳﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ قَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَیْنِكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ ثُمَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّ یَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫ وَّ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۲۵﴾

''فرمایئے: سیر و سیاحت کرو زمین میں اور غور سے دیکھو کس طرح اس نے خلق کی ابتدا فرمائی پھر اللہ تعالیٰ (اسی طرح) پیدا فرمائے گا دوسری بار، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور رحم فرماتا ہے جس پر چاہتا ہے اور اسی کی طرف تم پھیرے جاؤ گے اور نہیں ہو تم بے بس کرنے والے (اللہ تعالیٰ کو) زمین میں (بھاگ کر) اور نہ آسمان میں (پناہ لے کر) اور نہیں ہے تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار اور جن لوگوں نے انکار کیا اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کی ملاقات کا وہ لوگ مایوس ہو گئے میری رحمت سے، اور وہی لوگ ہیں جن کے لیے عذاب الیم ہے آپ کی قوم سے کوئی جواب نہ بن آیا بجز اس کے کہ انہوں نے کہا کہ اسے قتل کر ڈالو یا اسے جلا دو سو بچا لیا اسے اللہ تعالیٰ نے آگ سے بے شک اس واقعہ میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں اور ابراہیم نے کہا کہ تم نے بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو باہمی محبت (و پیار) کا ذریعہ اس دنیوی زندگی میں پھر قیامت کے دن تم انکار کرو گے ایک دوسرے کا اور پھٹکار بھیجو گے ایک دوسرے پر اور تمہارا ٹھکانہ آتش (جہنم) ہو گا اور نہیں ہو گا تمہارا کوئی مددگار''۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ اے محمد! تم انہیں کہو زمین میں گھومو، پھرو۔ **فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ** دیکھو تو اللہ تعالیٰ نے کیسے مخلوق کو پیدا کیا جب کہ تعداد میں وہ کثیر ہیں، ہیئتیں مختلف ہیں، زبان، رنگ اور طبیعتیں مختلف ہیں تم سابقہ قوموں کے مسکن، گھر اور آثار دیکھو اللہ تعالیٰ نے کیسے انہیں ہلاک کیا تاکہ تم اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کو پہچانو۔

ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ابو عمرو اور ابن کثیر نے النشاۃ شین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا اور دونوں لغتیں ہیں جس طرح رأفة اور رآفة۔ جوہری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس کی پیدائش کو پیدا کیا، اسم نشاۃ اور نشاءۃ مد کے ساتھ ہے، یہ ابو عمرو بن علاء سے مروی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۚ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ اپنے عدل کے ساتھ جس کو عذاب دینا چاہتا ہے۔ **وَ يَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ** اور اپنے فضل کے ساتھ جس پر رحم کرنا چاہتا ہے۔ **وَ اِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ** اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔ **وَ مَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ** فراء نے کہا: معنی ہے یعنی نہ وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز کر سکتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں۔ عربی لغت میں یہ امر مبہم ہے کیونکہ دوسرے حصے میں ضمیر ظاہر نہیں؛ یہ حدیث حضرت حسان کے قول کی طرح ہے:

فمن يَهْجو رسول اللهِ منكم ويَمدحُهُ و يَنصرُهُ سَواءُ(1)

تم میں سے جو رسول اللہ کی ہجو کرے اور جو آپ کی مدح اور مدد کرے وہ برابر ہیں۔

یہاں اس سے و من یمدحه وینصره سواء کا ارادہ کیا ہے، من کو مضمر کیا؛ یہ عبدالرحمن بن زید کا قول ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَ مَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۝** (الصافات) یہاں بھی اصل میں من لہ تھا، من مضمر ہے۔ معنی ہے اللہ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 312

تعالیٰ کو اہل زمین زمین میں اور اہل سماء آسمان میں عاجز نہیں کر سکتے اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں۔ قطرب نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے ولا فی السماء لو کنتم فیہا یعنی نہ آسمان میں اگر تم آسمان میں ہوتے، جس طرح تو کہتا ہے: لا یفوتنی فلان بالبصرۃ ولا ھٰھنا معنی ہے اگر وہ بصرہ چلا جائے تب بھی میری گرفت سے باہر نہیں ہو سکتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ نہ زمین میں بھاگ جانے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ وہ آسمان میں بھاگ جانے کی طاقت رکھتے ہیں۔ مبرد نے کہا: معنی ہے اور نہ وہ جو آسمان میں ہیں اس بنا پر کہ من موصولہ نہیں ہے، بلکہ نکرہ ہے۔ فِي السَّمَآءِ اس کی صفت ہے۔ صفت کو موصوف کے قائم مقام رکھا۔ علی بن سلیمان نے اس کا رد کیا اور کہا: یہ جائز نہیں اور کہا: من جب نکرہ ہو تو اس کی صفت کا لگانا ضروری ہے تو اس کی صفت صلہ کی طرح ہوگی۔ موصول کا حذف اور صلہ کا ترک جائز نہیں۔ معنی ہے لوگوں کو اسی چیز کے ساتھ خطاب کیا گیا جس کی وہ عقل رکھتے تھے۔ معنی ہے اگر تم آسمان میں ہوتے تو اللہ تعالیٰ کو عاجز نہ کر سکتے، جس طرح فرمایا: وَ لَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ (النساء: 78)

وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ، نصیرٌ بھی جائز ہے کیونکہ محل رفع کا ہے اور من زائدہ ہے۔

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ لِقَآىِٕهٖۤ آیات سے مراد قرآن ہے یا ادلہ اور اعلام میں سے جن کو قائم کیا گیا۔ اُولٰٓىِٕكَ يَىِٕسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ رحمت سے مراد جنت ہے۔ اس کو ان کی طرف منسوب کیا گیا معنی ہے ان کو مایوس کر دیا گیا۔ یہ آیات اللہ تعالیٰ کی جانب سے جملہ معترضہ کے طور پر ہیں تا کہ اہل مکہ کو یاد دلایا جائے اور انہیں نصیحت کی جائے، پھر خطاب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کی طرف لوٹتا ہے۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی تو ان کا جواب یہ تھا اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ پھر انہوں نے آپ کو جلانے پر اتفاق کیا۔ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ یعنی آگ کی اذیت سے نجات دی۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ یعنی اس بڑی آگ سے آپ کو نجات دینے میں، یہاں تک کہ آگ میں جب آپ کو پھینکا گیا تو اس نے آپ کو نہ جلایا۔ لَاٰيٰتٍ عام قراءت جواب کی باء کی نصب کے ساتھ ہے کیونکہ یہ کان کی خبر ہے۔ اَنْ قَالُوْا یہ محل رفع میں ہے یہ کان کا اسم ہے۔ سالم افطس اور عمرو بن دینار نے جواب کا لفظ رفع کے ساتھ پڑھا ہے (1) کہ یہ کان کا اسم ہے اور ان خبر کے محل میں ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ وقال یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا حفص اور حمزہ نے مودۃ بینکم پڑھا ہے۔ ابن کثیر، ابو عمرو اور کسائی نے مودۃُ بینکم قراءت کی ہے۔ اعمش نے ابو بکر سے وہ عاصم، ابن وثاب اور اعمش سے مودۃٌ بینکم قراءت کی ہے باقی قراء نے مودۃً بینکم قراءت کی ہے۔

جہاں تک ابن کثیر کی قراءت ہے تو اس میں تین توجیہیں ہیں، زجاج نے ان میں سے دو کا ذکر کیا ہے۔

مودۃ کا لفظ ان کی خبر کی وجہ سے مرفوع ہے اور ما، الذی کے معنی میں ہے تقدیر کلام یہ ہے: ان الذی اتخذتموہ من دون اللہ اوثانا مودۃ بینکم دوسری توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ مبتدا مضمر ہو کہ تقدیر کلام یہ ہوگی: ھی مودۃ او تلک مودۃ بینکم

1۔ محرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 312

معنی ہے تمہارے الہ یا تمہاری جماعت تمہارے درمیان محبت ہے۔ ابن انباری نے کہا: اوثانا یہ وقف اس کے لیے اچھا ہے جس نے مودۃ کو رفع دیا اس تقدیر کی بنا پر ذلك مودۃ بینکم جس نے مودۃ کو اس بنا پر رفع دیا کہ یہ ان کی خبر ہے وہ اس پر وقف نہیں کرے گا۔

تیسری توجیہ یہ ہے جس کو اس نے ذکر نہیں کیا کہ مودۃ کا لفظ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور فی الحیاۃ الدنیا اس کی خبر ہو۔ جہاں تک مودۃ کے لفظ کو بینکم کی طرف مضاف کرنے کا تعلق ہے تو بینکم کو اسم بنایا جائے گا مگر یہ ظرف نہ ہو گا۔ نحوی کہتے ہیں: اسے مجاز کی بنا پر مفعول بہ بنایا ہے۔ سیبویہ نے حکایت بیان کی ہے: یا سارق اللیلۃ اہل الدار اس کی طرف مضاف کرنا جائز نہیں اس حال میں کہ یہ ظرف ہے وہ ایسی علت ہے جس کے ذکر کا یہ محل نہیں جس نے مودۃ کو رفع دیا اور اسے تنوین دی تو یہ اس معنی کی بنا پر ہے جو ذکر کیا گیا۔ بینکم ظرف ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ جس نے مودۃ کو رفع دیا اور اسے تنوین نہ دی اس نے اس کو مفعول بنایا کیونکہ اتخذ کا فعل اس پر واقع ہو رہا ہے۔ انما ایک حرف ہے اس نے اسے الذی کے معنی میں نہیں بنایا۔ مودۃ کو اس وجہ سے نصب دینا بھی جائز ہے کہ یہ مفعول لاجلہ ہے جس طرح تو کہتا ہے: جئتك ابتغاء الخیر، وقصدت فلانا مودۃ له، بینم کو مجرور پڑھنا بھی جائز ہے۔ جس نے مودۃ کو تنوین دی اور اسے نصب دی تو یہ اس تاویل کی بنا پر ہے جس کو ذکر کیا گیا بینکم منصوب ہے، اضافت کے بغیر ہے۔ ابن انباری نے کہا: جس نے مودۃً بینکم اور مودۃ بینکم پڑھا اس نے اوثانا پر وقف نہیں کیا۔ اس نے الحیاۃ الدنیا پر وقف کیا آیت کا معنی ہے تم نے بتوں کو یوں بنا دیا ہے کہ اس پر باہم محبت کرتے ہو اور دنیاوی زندگی میں ان کی عبادت پر باہم محبت کرتے ہو۔ ثُمَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّ یَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا بت اپنے عبادت گزاروں اور سردار اپنے تابعداروں سے براءت کا اظہار کر دیں گے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَىِٕذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ﴿۶۷﴾ (الزخرف) وَ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ یہ بتوں کے عبادت گزاروں کو خطاب ہے وہ ان میں سے سردار ہوں یا پیروکار ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں بت داخل ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (الانبیاء: 98)

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَ قَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۶﴾ وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ جَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ وَ اٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا ۚ وَ اِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۲۷﴾

”تو ایمان لائے ان پر لوط۔ اور ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا: میں ہجرت کرنے والا ہوں اپنے رب کی طرف بے شک وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے۔ اور ہم نے عطا فرمایا آپ کو اسحاق (جیسا فرزند) اور یعقوب (جیسا پوتا) اور ہم نے رکھ دی ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب اور ہم نے دیا ان کو ان (کی جاں نثاری) کا اجر اس دنیا میں اور بلاشبہ وہ آخرت میں (صالحین کے زمرہ) میں ہوں گے“۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ حضرت لوط علیہ السلام وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصدیق کی جب آگ کو

آپ پر ٹھنڈی اور سلامتی والا پایا۔ ابن اسحاق نے کہا: حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے جب کہ حضرت لوط، حضرت ابراہیم علیہما السلام کے بھانجے تھے حضرت سارہ بھی آپ پر ایمان لائیں جب کہ وہ آپ کی چچازاد تھیں۔

وَ قَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ نخعی اور قتادہ نے کہا، جس نے کہا: اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ اس سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں (1)۔ قتادہ نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوثا سے ہجرت کی یہ سواد کوفہ کا ایک دیہات تھا پہلے حران کی طرف ہجرت کی پھر شام کی طرف ہجرت کی آپ کے ساتھ آپ کے بھتیجے حضرت لوط بن ہاران بن تارخ تھے اور آپ کی بیوی حضرت سارہ تھیں (2)۔ کلبی نے کہا: حران کے علاقہ سے فلسطین کے علاقہ کی طرف ہجرت کی۔ یہ وہ پہلے شخص ہیں کہ آپ نے کفر کے علاقہ سے ہجرت کی۔ مقاتل نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی، جب کہ آپ کی عمر پچھتر سال تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس نے کہا اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ وہ حضرت لوط علیہ السلام تھے۔ بیہقی نے قتادہ سے ذکر کیا: جس نے سب سے پہلے اپنے اہل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کی وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔ قتادہ نے کہا: میں نے حضرت نضر بن انس رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے ابوحمزہ یعنی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ حبشہ کی طرف نکلے جب کہ ان کے ساتھ حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ان کی خبر دیر سے پہنچی قریش کی ایک عورت آئی اس نے کہا اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے آپ کا داماد دیکھا جب کہ ان کے ساتھ ان کی اہلیہ بھی تھی۔ پوچھا: ''ان دونوں کو کس حال میں دیکھا''۔ اس نے عرض کی: میں نے انہیں دیکھا اس نے اپنی بیوی کو ایک گدھے پر بٹھا رکھا تھا جو اس دابہ (ایسا جانور جو آہستہ چلتا ہے) سے تعلق رکھتا تھا جب کہ وہ اس جانور کو ہانک رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''دونوں کا اللہ ساتھی ہے حضرت عثمان، حضرت لوط علیہ السلام کے بعد پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے اپنے اہل کے ساتھ ہجرت کی''۔ بیہقی نے کہا: یہ پہلی ہجرت میں ہوا، جہاں تک حبشہ کی طرف دوسری ہجرت کا تعلق تھا (3)۔ واقدی نے یہ گمان کیا ہے: یہ بعثت کے پانچویں سال ہوئی۔ اِلٰی رَبِّیْ میرے رب کی رضا کی طرف اور جس کی طرف اس نے مجھے حکم دیا۔ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ ہجرت کے متعلق گفتگو سورۃ النساء اور دوسری سورتوں میں گزر چکی ہے۔

وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ اللہ تعالیٰ نے اولاد کے ساتھ ان پر احسان کیا۔ حضرت اسحاق بچے اور حضرت یعقوب کو پوتے کی صورت میں عطا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کے بعد حضرت اسحاق عطا فرمایا اور حضرت اسحاق کے بعد حضرت یعقوب عطا فرمایا۔ وَ جَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں کیا مگر آپ کی نسل سے ہی مبعوث کیا۔ کتاب کو واحد ذکر کیا کیونکہ مصدر کا ارادہ کیا جس طرح نبوت ہے۔ مراد تورات، انجیل اور فرقان ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا گیا۔ سب پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور نوازشات ہوں۔

وَ اٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا دنیا میں اجر کی صورت یہ ہے کہ تمام ادیان والے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات پر ایمان

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 314 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 281

3۔ دلائل النبوۃ للبیہقی، الہجرۃ الاولیٰ الی الحبشہ، جلد 2، صفحہ 66

رکھتے ہیں؛ یہ عکرمہ کا قول ہے۔ سفیان نے حمید بن قیس سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت سعید بن جبیر نے ایک انسان کو حکم دیا کہ وہ عکرمہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے بارے میں پوچھے وَاٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا عکرمہ نے جواب دیا: تمام ادیان والے دعویٰ کرتے ہیں اور کہتے ہیں: وہ ہم سے ہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس نے سچ بولا۔ قتادہ نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے وَاٰتَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً (النحل: 122) مراد عاقبت، عمل صالح اور اچھی تعریف؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام ادیان والے اس کی پیروی کرتے ہیں (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَاٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا اکثر انبیاء ان کی اولاد میں سے ہیں وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ، فِی الْاٰخِرَةِ صلہ میں داخل نہیں یہ وضاحت ہے۔ سورۂ بقرہ میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ یہ سب اس لیے ہے کہ دین حق پر صبر کرنے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اقتدا پر برانگیختہ کیا جائے۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ٘ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ
الْعٰلَمِیْنَ ﴿٢٨﴾ اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَ تَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ۙ۬ وَ تَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْكُمُ
الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ
الصّٰدِقِیْنَ ﴿٢٩﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿٣٠﴾ وَ لَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ
اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی ۙ قَالُوْۤا اِنَّا مُهْلِكُوْۤا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا
ظٰلِمِیْنَ ﴿٣١﴾ قَالَ اِنَّ فِیْهَا لُوْطًا ؕ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِیْهَا ٞ۫ لَنُنَجِّیَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗۤ
اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴿٣٢﴾ وَ لَمَّاۤ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ
وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالُوْا لَا تَخَفْ وَ لَا تَحْزَنْ ٙ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَ اَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ
كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴿٣٣﴾ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰۤی اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا
كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿٣٤﴾ وَ لَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَاۤ اٰیَةًۢ بَیِّنَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿٣٥﴾

"اور (ہم نے) لوط کو رسول بنا کر بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: تم ایسی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو کہ نہیں پہل کی تم سے اس (بے حیائی) کی طرف کسی نے دنیا بھر میں۔ کیا تم بدفعلی کرتے ہو مردوں کے ساتھ اور ڈاکے ڈالتے ہو عام راستوں پر اور اپنی کھلی مجلس میں گناہ کرتے ہو تو نہیں تھا کوئی جواب آپ کی قوم کے پاس بجز اس کے کہ انہوں نے کہا: اے لوط! لے آؤ ہم پر اللہ کا عذاب اگر تم (اپنے دعویٰ) میں سچے ہو۔ آپ نے عرض کی: میرے مالک! میری مدد فرما ان فسادی لوگوں کے مقابلہ میں۔ اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے انہوں نے بتایا کہ ہم ہلاک کرنے والے ہیں اس گاؤں کے باشندوں کو، بے

1۔ تفسیر طبری، جلد 20، صفحہ 167

شک یہاں کے رہنے والے بڑے ظالم تھے۔ آپ نے کہا: اس میں تو لوط بھی رہتا ہے۔ فرشتوں نے عرض کی: ہم خوب جانتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں ہم ضرور بچالیں گے اسے اور اس کے گھر والوں کو سوائے اس کی عورت کے، وہ پیچھے رہ جانے والوں سے ہے۔ اور جب آئے ہمارے فرشتے لوط (علیہ السلام) کے پاس تو بڑے غمزدہ ہوئے ان کی آمد سے اور دل تنگ ہوئے اور (انہیں پریشان دیکھ کر) فرشتوں نے کہا: نہ خوفزدہ ہو اور نہ رنجیدہ خاطر ہم نجات دینے والے ہیں تجھے اور تیرے کنبہ کو سوائے تمہاری بیوی کے وہ پیچھے رہ جانوں والوں میں ہے۔ بے شک ہم اتارنے والے ہیں اس بستی کے باشندوں پر عذاب آسمان سے اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے اور بے شک ہم نے باقی رہنے دیئے اس بستی کے کچھ واضح آثار ان لوگوں (کی عبرت) کے لیے جو عقل مند ہیں''۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ کسائی نے کہا: معنی ہے ہم نے حضرت لوط علیہ السلام کو نجات دی یا ہم نے حضرت لوط علیہ السلام کو بھیجا۔ کہا: یہ توجیہ میرے لیے زیادہ پسندیدہ ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ معنی ہو لوط کو یاد کرو کیونکہ انہوں نے اپنی قوم کو شرمندہ کرتے ہوئے اور ڈراتے ہوئے کہا: اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۡ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ، ائنکم اس میں قراءت اور اس کی وضاحت سورۃ الاعراف میں گزر چکی ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا تذکرہ سورۃ الاعراف اور سورۂ ہود میں گزر چکا ہے۔

وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ڈاکو تھے: یہ ابن زید نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لیے راستوں سے لوگوں کو اٹھا لیتے تھے: ابن شجرہ نے اسے بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عورتوں سے مردوں کی طرف عدول کرنے سے نسل کو قطع کرنا ہے: یہ وہب بن منبہ کا قول ہے وہ مردوں کی وجہ سے عورتوں سے مستغنی ہو گئے۔

میں کہتا ہوں: شاید یہ سب بیماریاں ان میں موجود تھیں وہ ڈاکہ مارا کرتے تھے تاکہ اموال کو حاصل کریں اور بدفعلی کریں اور جس وجہ سے وہ عورتوں سے مستغنی ہو جاتے۔ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ، النادی سے مراد مجلس ہے وہ منکر جو کیا کرتے تھے اس میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک جماعت کا کہنا ہے: وہ عورتوں کو کنکریاں مارا کرتے تھے، وہ اجنبی اور باہر سے آنے والے کو حقیر سمجھتے۔ حضرت ام ہانی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے، حضرت ام ہانی نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ کے بارے میں پوچھا۔ فرمایا: ''جو ان کے پاس سے گزرتا وہ اس کو کنکریاں مارا کرتے تھے اور اس کا مذاق اڑایا کرتے، یہی وہ منکر عمل تھا جو وہ کیا کرتے تھے (1)'' اسے ابوداؤد طیالسی نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے، نحاس، ثعلبی، مہدوی اور ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے، ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ حضرت معاویہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حضرت لوط علیہ السلام کی قوم اپنی مجالس میں بیٹھا کرتی اور ہر آدمی کے پاس ایک پیالہ ہوتا جس میں مارنے کے لیے کنکریاں ہوتیں جب کوئی ان کے پاس سے گزرتا تو وہ اس پر کنکری پھینکتے جس کی کنکری اس

1۔ جامع ترمذی، سورۂ عنکبوت، جلد 2، صفحہ 150۔ ایضاً، حدیث نمبر 3114، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کو لگتی تو وہ اس کا زیادہ مستحق ہوتا"۔ یعنی وہ اس کو بدکاری کے لیے لے جاتا۔ تو یہی اللہ تعالیٰ کے فرمان سے مراد ہے: وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْكُمُ الْمُنْكَرَ۔ حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ابن عباس، قاسم بن ابی بزہ اور قاسم بن محمد نے کہا: وہ اپنی مجالس میں گوز کرتے تھے (1)۔ منصور نے مجاہد سے یہ قول نقل کیا ہے: وہ اپنی مجالس میں مردوں سے خواہش پوری کیا کرتے تھے اور وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوتے تھے۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: ان کا یہ معمول تھا وہ کبوتروں سے کھیلتے، انگلیوں کو مہندی سے رنگتے، سیٹیاں بجاتے اور تمام امور میں حیاء کو پس پشت ڈالتے۔

ابن عطیہ نے کہا: یہ امور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے بعض نافرمانوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ان چیزوں سے رکنا واجب ہے۔ مکحول نے کہا: اس امت میں قوم لوط کے اخلاق میں سے دس باتیں پائی جاتی ہیں: مصطگی کو چبانا، انگلیوں کو مہندی سے رنگنا، تہبند کھول دینا، انگلیوں کے چٹخارے نکالنا، وہ پگڑی جو سر کے اردگرد لپیٹی جاتی ہے، انگلیوں کا جال بنانا، بندوق جس کے ساتھ کسی چیز کو پھینکا جاتا ہے، سیٹی بجانا، کنکری مارنا، لواطت کا عمل کرنا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت لوط علیہ السلام کی قوم میں فاحشہ کے علاوہ بھی گناہ تھے (2) ان میں سے ایک یہ تھا کہ وہ باہم ظلم کرتے، ایک دوسرے کو گالیاں دیتے، مجالس میں گوز مارتے، کنکریاں مارتے، نرد اور شطرنج کھیلتے، رنگے ہوئے کپڑے پہنتے، وہ مرغوں کو لڑاتے، اپنی انگلیوں کو مہندی لگاتے، مرد عورتوں کا لباس پہنتے اور عورتیں مردوں کا لباس پہنتیں، وہ ہر گزرنے والے پر ٹیکس لگاتے، ان سب برائیوں کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے یہ پہلے لوگ تھے جن سے مردوں سے بدفعلی اور عورتوں کے ساتھ ہم جنسی کا فعل صادر ہوا۔ جب حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں ان قبائح سے روکا تو وہ آپ کو جھٹلانے اور جھگڑنے کی طرف لوٹ آئے۔ انہوں نے کہا: ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ یہ نہیں ہوگا اور نہ وہ اس پر قادر ہے۔ انہوں نے یہ بات نہیں کی مگر وہ حضرت لوط علیہ السلام کے جھوٹا ہونے کے اعتقاد پر سخت تھے۔

فطرت میں یہ صحیح نہیں کہ معاند یہ کہے پھر حضرت لوط علیہ السلام نے اپنے رب سے مدد طلب کریں اور اللہ تعالیٰ ان پر عذاب کے فرشتے بھیج دے۔ پہلے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری دے رہے تھے کہ وہ حضرت لوط علیہ السلام کی ان کی قوم کے خلاف مدد کرنے کے لیے آئے ہیں، جس کی وضاحت سورۂ ہود وغیرہ میں گزر چکی ہے۔ اعمش، یعقوب، حمزہ اور کسائی نے لننجینه واهله کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے اسے شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن کثیر، ابوبکر، حمزہ اور کسائی نے اِنَّا مُنْجُوْكَ وَاَهْلَكَ تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے (3)۔ باقی قراء نے اسے شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ انجی اور نجی دونوں ایک لغت ہیں۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ ابن عامر نے اسے اِنَّا مُنَزِّلُوْنَ تشدید کے ساتھ پڑھا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس کی قراءت ہے۔ باقی قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔

وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَاۤ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ قتادہ نے کہا: اس آیت سے مراد وہ پتھر ہے جو باقی رکھا گیا (4)؛ یہ ابو العالیہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس امت کی ایک جماعت کو اس کے ساتھ رجم کیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 282 2۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 315 3۔ ایضاً 4۔ تفسیر طبری، جلد 20، صفحہ 173

نے کہا: یہ ان کے کھنڈر گھروں کے آثار ہیں۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد روئے زمین پر سیاہ پانی ہے۔ یہ سب باقی ہے اس میں کوئی تعارض نہیں۔

وَ اِلٰى مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ۙ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ ارْجُوا الْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۳۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۳۷﴾

''اور (ہم نے بھیجا) مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو آپ نے کہا: اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور امید رکھو پیچھے آنے والے دن کی اور ملک میں فتنہ و فساد برپا نہ کرو۔ پھر انہوں نے آپ کو جھٹلایا تو آلیا انہیں زلزلہ (کے جھٹکوں) نے پس صبح ہوئی تو وہ اپنے گھروں میں گھٹنے کے بل گرے پڑے تھے''۔

وَ اِلٰى مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا یعنی ہم نے مدین کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا۔ سورۂ اعراف اور ہود میں ان کا ذکر اور ان کے فساد کا ذکر گزر چکا ہے۔ وَ ارْجُوا الْیَوْمَ الْاٰخِرَ یونس نحوی نے کہا: اس آخرت سے ڈرو جس میں اعمال پر جزا ہے۔ وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ یعنی کفر نہ کرو کیونکہ کفر ہر فساد کی جڑ ہے۔ عثو اور عثی۔ شدید ترین فساد ہے عَثِیَ یَعْثَى اور عَثَا یَعْثُو دونوں کا معنی ایک ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَ ارْجُوا الْیَوْمَ الْاٰخِرَ یعنی یوم آخرت کی تصدیق کرو کیونکہ لوگ اس کا انکار کرتے تھے۔

وَ عَادًا وَّ ثَمُوْدَاۡ وَ قَدْ تَّبَیَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۫ وَ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ وَ كَانُوْا مُسْتَبْصِرِیْنَ ﴿۳۸﴾

''اور (ہم نے برباد کیا) عاد اور ثمود کو اور واضح ہیں تمہارے لیے ان کے مکانات اور آراستہ کر دیا ان کے لیے شیطان نے ان کے (برے) عملوں کو اور روک لیا انہیں راہ (راست) سے حالانکہ وہ اچھے بھلے سمجھدار تھے''۔

وَ عَادًا وَّ ثَمُوْدَاۡ کسائی نے کہا: بعض نے کہا: یہ سورت کے آغاز کی طرف راجع ہے، یعنی ہم نے ان کو آزمایا جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں اور ہم نے عاد اور ثمود کو آزمایا۔ انہوں نے کہا: مجھے یہ بات زیادہ پسند ہے کہ اس کا عطف فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ پر ہو یعنی رجفہ نے عاد اور ثمود کو پکڑ لیا۔ زجاج نے یہ گمان کیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے واهلكنا عادا و ثمودا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے عاد کو یاد کرو جب ہم نے ان کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا۔ انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کو جھٹلایا اور ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور قوم ثمود کی طرف ہم نے حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تو ہم نے صیحہ کے ساتھ انہیں ہلاک کر دیا، جس طرح ہم نے عاد کو بانجھ ہوا کے ساتھ ہلاک کیا۔

وَ قَدْ تَّبَیَّنَ لَكُمْ اے کفار کی جماعت! مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ حجر اور احقاف میں ان کی ہلاکت کے آثار ہیں۔ تَّبَیَّنَ کا فاعل

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 138

حذف ہے۔ وَ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ شیطان نے ان کے خسیس اعمال کو مزین کیا تو انہوں نے ان اعمال کو بلند گمان کیا۔ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ یعنی حق کے راستہ سے انہیں روک لیا۔

وَ كَانُوْا مُسْتَبْصِرِیْنَ اس میں دو قول ہیں (1) وہ گمراہی میں بڑی بصیرت رکھنے والے تھے؛ یہ مجاہد کا قول ہے (۲) وہ بصیرت والے تھے انہوں نے براہین کے ظاہر ہونے کی وجہ سے حق کو باطل سے پہچان لیا تھا۔ یہ قول زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہ کہا جاتا ہے: فلان مستبصر جب وہ کسی شے کو حقیقت کے طور پر پہچان لے۔ فراء نے کہا: وہ دانش منداور صاحب بصیرت تھے ان کی بصیرتوں نے ان کو نفع نہ دیا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے کیا جو کیا جب کہ ان کے لیے یہ واضح ہو چکا تھا کہ ان کا انجام عذاب ہے۔

وَ قَارُوْنَ وَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ ۟ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ وَ مَا كَانُوْا سٰبِقِیْنَ ۝ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِ حَاصِبًا ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّیْحَةُ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ۝

''اور (ہم نے ہلاک کر دیا) قارون، فرعون اور ہامان کو اور بلاشبہ تشریف لائے ان کے پاس موسیٰ روشن دلیلوں کے ساتھ پھر بھی وہ غرور تکبر کرتے رہے زمین میں اور وہ (ہم سے) آگے بڑھ جانے والے نہ تھے پس ہر (سرکش) کو ہم نے پکڑا اس کے گناہ کے باعث پس ان میں سے بعض پر ہم نے برسائے پتھر اور ان میں سے بعض کو آلیا شدید کڑک نے اور بعض کو ہم نے غرق کر دیا زمین میں اور بعض کو ہم نے (دریا میں) ڈبو دیا اور اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ نہیں کہ وہ ان پر ظلم کرے بلکہ وہ اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے تھے''۔

وَ قَارُوْنَ وَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ کسائی نے کہا: اگر تو چاہے تو یہ عاد پر محمول ہو۔ اس میں ہوا جو ہوا۔ اگر تو چاہے تو فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ پر محمول کرے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی وصدھم قارون و فرعون و ھامان۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے ان کو ہلاک کیا بعد اس کے کہ ان کے پاس رسل آئے۔

فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ انہوں نے زمین میں حق اور اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تکبر کیا۔ وَ مَا كَانُوْا سٰبِقِیْنَ وہ ہماری گرفت سے بچ جانے والے نہ تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ کفر کی طرف سبقت لے جانے والے نہ تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ کفر کی طرف سبقت لے جانے والے نہ تھے بلکہ ان سے پہلے بے شمار لوگ کفر کی طرف سبقت لے جانے والے تھے تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ کسائی نے کہا: فکلاً، اخذنا کی وجہ سے منصوب ہے یعنی ہم نے ہر کسی کو اس کے گناہ کی وجہ سے

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 138

پکڑ لیا۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا مراد قوم لوط ہے۔ حاصب سے مراد ایسی ہوا ہے جو سنگریزے لاتی ہے حصباء سے مراد چھوٹے سنگریزے ہیں۔ یہ لفظ ہر عذاب میں استعمال ہوتا ہے۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ مراد قوم ثمود اور مدین ہے۔ وَ مِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ، من سے مراد قارون ہے۔ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا، من سے مراد قوم نوح اور قوم فرعون ہے۔

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ اللہ تعالیٰ کی شان نہیں کہ وہ ظلم کرے، کیونکہ اسی نے ان کو ڈرایا، انہیں مہلت دی، ان کی طرف رسولوں کو مبعوث کیا اور ان کے عذر کو ختم کر دیا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۝

”ان نادانوں کی مثال جنہوں نے بنا لیے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور دوست، مکڑی کی سی ہے اس نے (جالے کا) گھر بنایا اور (تم سب جانتے ہو) کہ تمام گھروں سے کمزور ترین مکڑی کا گھر ہوا کرتا ہے کاش! وہ بھی اس (حقیقت) کو جانتے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جس چیز کو وہ پوجتے ہیں اس کو چھوڑ کر اور وہی سب پر غالب حکمت والا ہے۔ اور یہ مثالیں ہیں ہم بیان کرتے ہیں انہیں لوگوں (کو سمجھانے) کے لیے اور نہیں سمجھتے انہیں مگر اہل علم“۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا اخفش نے کہا: كمثل العنكبوت پر وقف تام ہے۔ پھر اس کے قصہ کو بیان کیا اور کہا: اتخذت بيتا۔ ابن انباری نے کہا: یہ غلط ہے، کیونکہ اتخذت بيتا یہ عنکبوت کا صلہ ہے، گویا فرمایا: كمثل التى اتخذت بيتا موصول کے بغیر صلہ پر وقف اچھا نہیں۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح فرمایا: كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا (الجمعہ: 5) يحمل، حمار کا صلہ ہے يحمل کی بجائے حمار پر وقف کرنا اچھا نہیں۔ فراء نے کہا: یہ ضرب المثل ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کے لیے بیان کی ہے جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کو معبود بناتا ہے جو نہ نفع دیتے ہیں اور نہ نقصان دیتے ہیں جس طرح مکڑی کا گھر نہ اسے گرمی سے بچاتا ہے اور نہ ہی ٹھنڈ سے بچاتا ہے۔ عنکبوت پر وقف اچھا نہیں کیونکہ اس کا گھر جو اسے کسی چیز سے نہیں بچاتا اس کی تشبیہ کا قصد کیا تو معبودان باطلہ جو نہ نفع دیتے ہیں اور نہ نقصان، ان کو اس کے گھر کے ساتھ تشبیہ دی۔

وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ گھروں میں سے سب سے کمزور مکڑی کا گھر ہے۔ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔ لو، بيت العنكبوت کے متعلق ہے، یعنی اگر وہ جانتے کہ بتوں کی عبادت مکڑی کے گھر بنانے کی طرح ہے جو انہیں کچھ نفع نہیں

دیتی تو وہ اس کی عبادت نہ کرتے یہ ان کی مثال ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کاش وہ جانتے کہ مکڑی کا گھر تو کمزور ہے۔ نحویوں نے کہا: عنکبوت کے آخر میں تاء زائدہ ہے کیونکہ یہ تصغیر اور جمع بناتے وقت گر جاتی ہے، یہ لغت ہے، فراء نے حکایت بیان کی کہ یہ مذکر ہے اور یہ کہا:

علی هطّالهم منهم بیوتٌ كأنّ العنكبوتَ قد ابتناها(1)

ان کے پہاڑ پر گھر ہیں۔ گویا عنکبوت نے انہیں بنایا۔ محل استدلال قد ابتناھا ہے۔ اسے علی هصابهم منه بیوتٌ روایت کیا گیا ہے۔ جوہری نے کہا: ھطال پہاڑ کا نام ہے عنکبوت معروف کیڑا ہے جو ہوا میں باریک اور ہلکا سا جالا بنتا ہے۔ اس کی جمع عناکیب، عَنَاکِب، عِکَاب، عُکُب اور أعْکُب آتی ہے اسے عَنْکَب اور عَکَنْبَاۃ بھی حکایت کیا جاتا ہے؛ شاعر نے کہا:

كأنّما يَسقطُ من لُغَامِها بيتُ عَكَنْبَاةٍ على زِمَامِها

محل استدلال عکناباۃ ہے۔ اس کی تصغیر بنائی جاتی ہے تو عُنَیْکِب کہا جاتا ہے یزید بن میسرہ سے مروی ہے کہ عنکبوت شیطان ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مسخ کیا(2)۔ عطا خراسانی نے کہا: عنکبوت نے دو دفعہ جالا بنایا ایک دفعہ حضرت داؤد علیہ السلام پر جب جالوت آپ کی تلاش میں تھا اور ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وجہ سے اس کے قتل سے منع کیا گیا ہے(3)۔ حضرت علی شیر خدا سے مروی ہے فرمایا: اپنے گھروں کو مکڑی کے جالوں سے پاک کرو کیونکہ گھروں میں اس کا چھوڑنا فقر کو لازم کرتا ہے۔ اور خمیر نہ دینا یہ بھی فقر لاتا ہے(4)۔

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ، ما یہ الذی کے معنی میں ہے۔ من یہ بعضیہ ہے۔ اگر تاکید کے لیے زائدہ ہوتا تو معنی بدل جاتا۔ معنی ہے جس کی وہ عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے ضعف کو جانتا ہے۔ عاصم، ابو عمرو اور یعقوب نے پڑھا یدعون یاء کے ساتھ پڑھا(5)؛ یہ ابو عبید کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے کیونکہ پہلے امتوں کا ذکر ہے۔ باقی قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے یہ خطاب کا صیغہ ہے۔

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا یہ مثال اور اس کے علاوہ سورۂ بقرہ، سورۂ حج اور دوسری سورتوں میں گزر چکی ہیں۔ **نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ** ہم انہیں بیان کرتے ہیں۔ **وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ** اسے اللہ تعالیٰ سے آگاہی رکھنے والے ہی سمجھتے ہیں جس طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے: العالم من عقل عن اللہ فعمل بطاعته واجتنب سخطه عالم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا عرفان رکھتا ہو، اس کے احکام کی طاعت کرتا ہو اور اس کی ناراضگی سے بچتا ہو(6)۔

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

"پیدا فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ۔ بے شک اس میں (اس کی قدرت کی) نشانی ہے ایمان والوں کے لیے"۔

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 138 2۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 376 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 383
4۔ ایضاً 5۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 318 6۔ تفسیر بغوی

حق سے مراد عدل وانصاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اپنی کلام اور قدرت کے ساتھ، یہی حق ہے۔ آیۃ سے مراد علامت اور دلالت ہے۔ مومنین سے مراد تصدیق کرنے والے ہیں۔

اُتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝

''آپ تلاوت کیجئے اس کتاب کی جو وحی کی گئی ہے آپ کی طرف اور نماز صحیح صحیح ادا کیجئے بے شک نماز منع کرتی ہے بے حیائی اور گناہ سے اور واقعی اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑا ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم کرتے ہو''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اُتْلُ تلاوت اور اس کو معمول بنانے کا حکم ہے، سورۂ طٰہٰ میں اس آدمی کے لیے وعید گزر چکی ہے جو اس سے اعراض کرتا ہے کتاب کے مقدمہ میں اس پر برانگیختہ کیا گیا ہے۔ کتاب سے مراد قرآن حکیم ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو ہے۔ اقامۃ الصلاۃ سے مراد نماز کو اس کے اوقات میں اس کی قراءت، رکوع، سجود، قعود، تشہد اور تمام شروط کے ساتھ ادا کرنا ہے۔ سورۂ بقرہ میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے، اس لیے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ اس سے مراد پانچ نمازیں ہیں جو درمیان کے گناہوں کو مٹا دیتی ہیں، جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أرأیتم لو أن نهرا باب أحدکم فیغتسل من کل یوم خمس مرات هل یبقی من درنه شیٔ قالوا لا یبقی من درنه شیٔ۔ قال فذلك مثل الصلوات الخمس یمحوا الله بهن الخطایا (1) بتاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر ایک نہر ہو جس میں وہ ہر روز پانچ دفعہ غسل کرے کیا میل باقی رہ جائے گی۔ صحابہ نے عرض کی: میل میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہے گی، فرمایا: اس کی مثل پانچ نمازیں ہیں اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ خطاؤں کو مٹا دیتا ہے۔ امام ترمذی نے اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (2)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: یہاں الصلاۃ سے مراد قرآن ہے۔ معنی ہے جو قرآن نماز میں تلاوت کیا جاتا ہے وہ فحشاء، منکر، زنا اور معاصی سے روکتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی معنی میں صحیح حدیث ہے۔ ''نماز میں نے اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصف نصف تقسیم کر دی ہے'' (3)۔ مراد سورۃ فاتحہ کی قراءت ہے۔ حماد بن ابی سلیمان، ابن جریج اور کلبی نے کہا: بندہ جب تک نماز میں ہوتا ہے وہ فحش اور منکر پر عمل نہیں کرتا، یعنی جب تک تو نماز میں ہے اس وقت تک نماز تجھے روکتی ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ تو ابہام میں رکھنے والی بات ہے (4) یہ تعبیر اس روایت میں کیسے درست ہوگی جسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ انصار

1۔ جامع ترمذی، باب صلوات الخمس، جلد 2، صفحہ 110

2۔ جامع ترمذی، باب مثل صلوات الخمس، حدیث 2794، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 170

4۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 320

میں سے ایک نوجوان نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتا وہ فواحش اور چوری میں سے جس کا موقع پاتا اسے نہ چھوڑتا اسے کر گزرتا (1)۔ نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: ان الصلاۃ ستنھاہ نماز عنقریب اسے روک دے گی۔ تھوڑا عرصہ بھی نہ گزرا تھا کہ اس نے توبہ کر لی اور اس کا حال اچھا ہو گیا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کیا میں نے تم کو کہا نہیں تھا'' (2)۔

مسئلہ نمبر 3۔ آیت کی ایک تیسری تاویل بھی ہے جسے محققین نے پسند کیا ہے اور مشائخ صوفیہ نے بھی یہی کہا ہے اور مفسرین نے اس کا ذکر کیا ہے: اَقِمِ الصَّلٰوۃَ سے مراد نماز پر دوام اختیار کرنا اور اس کی حدود کو قائم کرنا ہے پھر اس کے حکم سے باخبر کیا کہ نماز پڑھنے والے اور اس کی بجا آوری کرنے والے کو فحشاء اور منکر سے روکتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں قرآن حکیم کی تلاوت پائی جاتی ہے جو نصیحت پر مشتمل ہوتی ہے اور نماز نمازی کے تمام بدن کو مشغول رکھتی ہے جب نمازی نماز کی جگہ داخل ہوتا ہے، خشوع کرتا ہے، اپنے رب کے حضور عاجزی کا اظہار کرتا ہے اور اس امر کو یاد کرتا ہے کہ وہ اپنے رب کے حضور کھڑا ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات اس پر مطلع ہے اور اسے دیکھ رہی ہے اس کا نفس اس کے لیے خالص ہو جاتا ہے اور مطیع ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا قرب اس کو ڈھانپ لیتا ہے، اس کے اعضاء پر اس کی ہیبت ظاہر ہو جاتی ہے اس میں کوئی کمی نہیں آتی یہاں تک دوسری نماز کا وقت ہو جاتا ہے جس کے ساتھ وہ بہترین حالت کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ ان روایات کا یہی معنی ومفہوم ہے کیونکہ مومن کی نماز ایسے ہی ہونی چاہیے۔

میں کہتا ہوں: خصوصاً اگر وہ اپنے نفس کو احساس دلائے کہ اس کا یہ عمل اس کا آخری عمل بھی ہو سکتا ہے یہ مقصود میں زیادہ بلیغ اور مراد میں کامل ہو سکتا ہے۔ موت کا کوئی معین وقت نہیں، کوئی مخصوص زمانہ نہیں، کوئی معلوم مرض نہیں۔ یہ ایسی بات ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں۔ بعض سلف صالحین سے مروی ہے کہ جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ان پر کپکپی طاری ہو جاتی، ان کا رنگ زرد پڑ جاتا اس بارے میں ان سے بات کی گئی فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں، جب میں دنیا کے بادشاہوں کے سامنے کھڑا ہوں تو میرا یہ حال ہوتا ہے تو بادشاہوں کے بادشاہ کے ساتھ میرا حال کیا ہونا چاہیے۔ یہ نماز روکتی ہے خصوصاً فحشاء اور منکر سے روکتی ہے جس کی نماز جو اس کے اردگرد گھومتی ہے جس میں کوئی خشوع نہیں ہوتا، نہ نصیحت ہوتی ہے اور نہ ہی فضائل اس میں ہوتے ہیں جس طرح ہماری نماز ہوتی ہے کاش یہ جائز بھی ہو جائے تو وہ ایسی نماز ہے جو نمازی کو اس کے مقام پر ہی چھوڑے رکھتی ہے جہاں کہیں بھی وہ ہو اگر وہ نافرمانی کے راستے پر گامزن ہو، جو معصیت اس کو اللہ تعالیٰ سے دور کرتی ہے تو نماز اس کو اس حال میں چھوڑے رکھتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دوری میں آگے ہی بڑھتا جاتا ہے اس معنی میں وہ حدیث بھی ہے حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری اور اعمش سے مروی ہے: جس کی نماز اسے فحشاء اور منکر سے نہ روکے وہ اللہ تعالیٰ سے اس کی دوری میں ہی اضافہ کرتی ہے۔

یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت حسن بصری نے اسے نبی کریم ﷺ سے مرسل روایت کیا ہے اس کی سند صحیح نہیں۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 377
2۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 2، صفحہ 447

ابن عطیہ نے کہا: میں نے اپنے باپ کو یہ کہتے ہوئے سنا جب ہم نے تحقیق کی اور اس کے معنی میں غور وفکر کیا تو یہ کہنا جائز ثابت نہ ہوا کہ کوئی یہ کہے کہ نفس نماز اسے اللہ تعالیٰ سے دور کرتی ہے گویا یہ معصیت ہے(1)۔ جو معنی اخذ کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کرنے میں مؤثر نہیں، بلکہ یہ نماز اس کو اس کے حال اور معاصی پر چھوڑے رکھتی ہے وہ منکر ہو، فحش، اور بعد ہو نماز اس میں اضافہ نہیں کرتی مگر اس بعد پر اسے قائم رکھتی ہے جو اس کا راستہ تھا، گویا ایسی نماز نے اسے اللہ تعالیٰ سے دور کیا جب اللہ تعالیٰ کے بعد سے اسے نہ روکا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے عرض کی گئی: فلاں آدمی کثرت سے نماز پڑھا کرتا تھا آپ نے فرمایا: یہ نماز نفع نہیں دیتی مگر اسے جو اس کی اطاعت کرے(2)۔

میں کہتا ہوں: خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث لم تزدہ من اللہ إلا بعدا کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں اضافہ کا باعث ہوتی ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ فحشاء اور منکر کے مرتکب کی نماز کی کوئی قدر ومنزلت نہیں کیونکہ معاصی اس بندے پر غالب ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امر کے معنی میں خبر ہے، یعنی نمازی کو فحشاء اور منکر سے رک جانا چاہیے نماز بذات خود اس سے نہیں روکتی بلکہ یہ رکنے کا سبب ہے۔ یہ اس طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ (جاثیہ:29) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ۝ (الروم)

مسئلہ نمبر 4۔ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ اللہ تعالیٰ تمہیں جو ثواب عطا فرماتا ہے اور جو تمہاری ثنا فرماتا ہے وہ تمہارے ذکر، جو تم عبادت میں اور اپنی نماز میں اس کا کرتے ہو، اس سے بڑھ کر ہے، یہ بھی حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت ابو درداء، حضرت ابو قرہ، حضرت سلمان رضی اللہ عنہم اور حضرت حسن بصری نے کہا ہے؛ یہی طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ موسیٰ بن عقبہ کی حدیث میں نافع سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ سے مراد ہے اللہ تعالیٰ جو تمہارا ذکر کرتا ہے وہ اس ذکر سے بڑھ کر ہے جو تم اس کا ذکر کرتے ہو''(3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم اپنی نماز میں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہو اور قرآن حکیم کی قراءت میں جو اس کا ذکر کرتے ہو وہ ہر شے سے افضل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اللہ تعالیٰ کا ذکر جو دوام کی صورت میں کیا جائے یہ فحشاء اور منکر سے روکنے میں نماز سے بڑھ کر ہے۔ ضحاک نے کہا: وہ چیز جو حرام ہو اس پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اور اس کو چھوڑ دینا یہ سب سے عظیم ذکر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے فحشاء اور منکر سے روکنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بڑھ کر ہے۔ یہاں اکبر کبیر کے معنی میں ہے۔

ابن زید اور قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر شے سے بڑھ کر ہے یعنی ان تمام عبادات سے افضل ہے جس میں ذکر نہ ہو(4)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کا ذکر معصیت سے روکتا ہے کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والا ہو وہ اس کی موافقت نہیں کرتا۔

ابن عطیہ نے کہا: میرے نزدیک اس کی تعبیر یہ ہے وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ کا معنی مطلق ہے یعنی انسان کو فحشاء اور منکر سے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 319
2۔ ایضاً
3۔ تفسیر طبری، جلد 20، صفحہ 181
4۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 140

روکتا ہے ذکر کا وہ جز جو نماز میں ہے وہ یہ عمل کرتا ہے اس طرح جو نماز کے علاوہ ہے وہ بھی یہی عمل کرتا ہے کیونکہ رکنا اس سے نہیں ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا ذاکر ہو اور اس پر نگاہ رکھے ہوئے ہو اس کا ثواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے یاد کرے جس طرح حدیث طیبہ میں ہے: من ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی و من ذکرنی فی ملإ ذکرتہ فی ملإ خیر منھم (1) جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں اس کو دل میں یاد کرتا ہوں اور جو کسی مجلس میں میرا ذکر کرتا ہے میں اس کا ذکر ایسی مجلس میں کرتا ہوں جو ان سے بہتر ہوتی ہے۔ نماز میں جو حرکات ہیں نہی میں ان کا کوئی اثر نہیں۔ نافع ذکر وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ علم، دل کی توجہ اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر امر سے فارغ ہونے کی صورت میں ہو۔ وہ ذکر جو زبان سے تجاوز نہیں کرتا تو اس کا رتبہ اور ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بندے کے ذکر سے مراد یہ ہے کہ وہ ہدایت اور نور علم سے اسے نوازتا ہے۔ یہ حقیقت میں بندے کا اپنے رب کے ذکر کا ثمرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ (البقرہ: 152) آیت کا باقی ماندہ حصہ وعید اور مراقبہ پر برانگیختہ کرتا ہے۔

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ۝

''اور (اے مسلمانو!) بحث مباحثہ نہ کیا کرو اہل کتاب سے مگر شائستہ طریقہ سے مگر وہ جنہوں نے ظلم کیا ان سے اور تم کہو: ہم ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتارا گیا ہماری طرف اور اتارا گیا تمہاری طرف اور ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے اور ہم اس کے سامنے گردن جھکانے والے ہیں۔ اور (اے حبیب!) اس طرح ہم نے نازل کی آپ کی طرف کتاب پس وہ جنہیں ہم نے دی تھی کتاب (تورات) وہ ایمان لاتے ہیں قرآن پر اور صرف اہل مکہ سے بھی کئی لوگ ایمان لا رہے ہیں قرآن پر اور نہیں انکار کرتے ہماری آیتوں کا مگر کفار''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ علماء نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ کی تعبیر میں اختلاف کیا ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ آیت محکم ہے اہل کتاب سے مجادلہ اس طریقہ سے کرنا جائز ہے جو احسن ہے مراد یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی جائے، حجج اور آیات پر آگاہ کیا جائے یہ امید رکھتے ہوئے کہ وہ ایمان کی دعوت قبول کریں گے۔ یہ مجادلہ سختی اور شدت کی صورت میں نہ ہو۔ اس تعبیر کی بنا پر معنی یہ ہوگا: اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ اس کا معنی ہے مگر وہ جو تم پر ظلم کریں۔ ورنہ ظلم کا کلمہ عام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اہل کتاب میں سے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ان کے ساتھ جھگڑا نہ کرو، جس طرح حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی جو ایمان لائے۔ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ یعنی ان چیزوں میں موافقت

1۔ جامع ترمذی، ما جاء فی جامع الدعوات من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 2، صفحہ 200

کرنے کے ساتھ جو وہ پہلی قوموں کی خبریں تمہیں بیان کریں اور اس طرح کے دوسرے معاملات۔ اس تاویل کی بنا پر اللہ تعالیٰ کا فرمان: اِلَّا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان میں سے کفر پر باقی رہیں، جس طرح بنو قریظہ، بنو نضیر وغیرہم میں سے جو لوگ کفر پر ہیں اور دھوکہ کیا۔ اس تعبیر کی بنا پر یہ آیت محکم ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت آیت قتال سے منسوخ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: قَاتِلُوا الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ (توبہ:29) یہ قتادہ کا قول ہے: اِلَّا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے بچہ بنایا۔ اور کہا: یَدُ اللّٰہِ مَغۡلُوۡلَۃٌ (المائدہ:64) اِنَّ اللّٰہَ فَقِیۡرٌ (آل عمران:181) یہ سب مشرک ہیں جنہوں نے جنگ کی اور جزیہ ادا نہ کیا تو ان سے انتقام لو۔ نحاس اور دوسرے علماء نے کہا: جس نے یہ استدلال کیا کہ یہ آیت منسوخ ہے تو اس نے یہ استدلال کیا کہ یہ آیت مکی ہے اس وقت تو قتال فرض ہی نہ تھا اور نہ ہی جزیہ کا مطالبہ تھا اور نہ ہی اس کے علاوہ کوئی اور حکم تھا۔ مجاہد کا قول اچھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ منسوخ ہیں مگر ایسی خبر کے ساتھ جو عذر کو ختم کر دے یا کوئی عقلی دلیل ہو؛ ابن عربی نے اس قول کو پسند کیا ہے۔ مجاہد اور سعید بن جبیر نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان اِلَّا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡہُمۡ اس کا معنی ہے مگر وہ لوگ جنہوں نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ شروع کی تو ان کے ساتھ جدال تلوار کے ساتھ ہوگا یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں یا جزیہ دیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا بِالَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡنَا وَاُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ اہل کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھتے اور اہل اسلام کے لیے عربی زبان میں اس کی تفسیر بیان کرتے (1)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ ان کی تکذیب کرو"۔ اور یہ کہا: اس پر ایمان لائے جو اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف نازل کیا اور جو تمہاری طرف نازل کیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے: اہل کتاب سے کوئی چیز نہ پوچھو وہ تمہاری صحیح رہنمائی نہیں کریں گے وہ خود گمراہ ہو چکے ہیں یا تو تم حق کو جھٹلاؤ گے یا باطل کی تصدیق کرو گے (2)۔ بخاری شریف میں ہے حمید بن عبدالرحمن نے حضرت معاویہ سے وہ مدینہ طیبہ میں موجود قریش سے روایت نقل کرتے ہیں (3) اور کعب الاحبار کا ذکر کیا: اگرچہ یہ ان میں سے سب سے سچا ہے جو اہل کتاب میں سے تم پر بیان کرتے ہیں اس کے باوجود ہم اس پر جھوٹ کو پرکھتے ہیں اور آزماتے ہیں۔

وَمَا کُنۡتَ تَتۡلُوۡا مِنۡ قَبۡلِہٖ مِنۡ کِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّہٗ بِیَمِیۡنِکَ اِذًا لَّارۡتَابَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ﴿۴۸﴾

"اور نہ آپ پڑھ سکتے تھے اس سے پہلے کوئی کتاب اور نہ ہی اسے لکھ سکتے تھے اپنے دائیں ہاتھ سے (اگر آپ لکھ پڑھ سکتے) تو ضرور شک کرتے اہل باطل"۔

اس میں تین مسائل ہیں:

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، جلد 2، صفحہ 1094

2۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، جلد 27، صفحہ 103

3۔ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تسئلوا اهل الکتاب عن شئی، جلد 2، صفحہ 1094

مسئلہ نمبر 1۔ وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ۔ قَبْلِهٖ کی ضمیر کتاب کی طرف لوٹ رہی ہے جو قرآن ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس سے قبل اسے نہیں پڑھتے تھے اور اہل کتاب سے اختلاف نہیں کرتے تھے، بلکہ ہم نے اسے اعجاز کے انتہائی درجہ پر فائز فرما کر غیوب کا ضامن بنا کر اور دوسرے مقاصد کے لیے اسے نازل کیا۔ اگر آپ کتاب پڑھتے ہوتے اور حروف لکھا کرتے لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ تو اہل کتاب میں سے باطل پرست شک میں مبتلا ہو جاتے اور ان کے شک کی کوئی وجہ بھی ہوتی۔ وہ کہتے: ہم نے اپنی کتابوں میں تو اسے امی پایا ہے جو نہ لکھتا ہے اور نہ پڑھتا ہے پس یہ وہ نہیں۔ مجاہد نے کہا: اہل کتاب اپنی کتابوں میں پاتے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ لکھتے ہیں اور نہ پڑھتے ہیں، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

نحاس نے کہا: یہ قریش کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل ہے کیونکہ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے، نہ لکھتے اور نہ ہی اہل کتاب کے ساتھ میل جول رکھتے اور نہ ہی مکہ مکرمہ میں کوئی اہل کتاب تھا جو ان کے پاس انبیاء اور امتوں کی خبریں لاتا۔ پس ریب اور شک زائل ہو گیا۔

مسئلہ نمبر 2۔ نقاش نے اس آیت کی تفسیر میں امام شعبی سے یہ ذکر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال نہیں ہوا یہاں تک کہ آپ نے لکھا اور ابو کبشہ سلولی کی حدیث کو بھی ذکر کیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیینہ بن حصن کا صحیفہ پڑھا اور اس کا معنی بیان کیا(1)۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ سب ضعیف ہے اور باجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول بھی اسی سے متعلق ہے۔

میں کہتا ہوں: صحیح مسلم میں حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جو صلح حدیبیہ کے متعلق ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی شیر خدا کو فرمایا: ہمارے درمیان معاہدہ لکھو: بسم اللہ الرحمن الرحیم ھذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ(2) مشرکوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اگر ہم جانتے کہ تو اللہ کا رسول ہے تو ہم آپ کی اتباع کرتے۔ ایک روایت میں تابعناک کی جگہ بایعناک کے الفاظ ہیں بلکہ لکھو محمد بن عبداللہ، حضرت علی شیر خدا کو حکم دیا کہ وہ اس کو مٹا دے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کی قسم! میں اسے نہیں مٹاؤں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مجھے اس کی جگہ دکھاؤ''۔ حضرت علی شیر خدا نے وہ جگہ دکھائی اور حضور نے اسے مٹا دیا۔ اور ابن عبداللہ لکھا۔ ہمارے علماء کہتے ہیں: اس کا ظاہر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رسول اللہ کا کلمہ اپنے ہاتھ سے مٹایا اور اس کی جگہ ابن عبداللہ لکھا۔ امام بخاری نے اس سے بھی ظاہر روایت ذکر کی ہے۔ کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکتوب لیا اور لکھا(3)۔ ایک اور سند سے یہ اضافہ کیا: آپ اچھی طرح نہیں لکھتے تھے۔ ایک جماعت نے کہا: اس کے ظاہر سے کتابت کا جواز ثابت ہوتا ہے کہ حضور نے اپنے ہاتھ سے لکھا ان میں سے سمنانی، ابو ذر اور باجی ہیں۔ ان کی رائے ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امی ہونے میں قدح کا باعث نہیں اور وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ کے خلاف نہیں اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: انا امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب (4) کے خلاف ہے۔ ہم ایسے لوگ ہیں نہ لکھتے ہیں اور نہ ہی حساب جانتے ہیں بلکہ انہوں نے اسے معجزات میں ایک اور اضافہ کے طور پر دیکھا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 322
2۔ صحیح مسلم، باب صلح الحدیبیۃ، جلد 2، صفحہ 105
3۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 452
4۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 256

ہے۔ اور آپ کی صداقت اور رسالت کی صحت پر اظہار کے طور پر دیکھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے کتابت سیکھے بغیر کتابت کی اور نہ ہی اس کے اسباب کو حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ اور آپ کے قلم پر ایسی حرکات جاری کیں جن سے ایسے خطوط عیاں ہوتے جن کا مفہوم ابن عبداللہ تھا جس نے بھی اسے پڑھا۔ یہ عادت کے خلاف تھا۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ سیکھے اور اکتساب کے بغیر اولین و آخرین کا علم رکھتے تھے۔ یہ آپ کے معجزات میں بلیغ ترین اور فضائل میں سب سے عظیم ہے۔ اس کے ساتھ آپ سے امی کا نام زائل نہیں ہوتا، اسی وجہ سے اس حالت میں راوی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہ کہتا ہے: ولا یحسن ان یکتب آپ اچھی طرح نہیں لکھتے تھے۔ پس لکھنے کے باوجود امی کا نام باقی رہا۔

ہمارے شیخ ابو العباس احمد بن عمر نے کہا: اندلس کے کثیر فقہاء اور دوسرے علماء نے اس کا انکار کیا۔ انکار میں شدت کا اظہار کیا اور اس کے قائل کی طرف کفر کی نسبت کی ہے۔ کفر کی یہ نسبت کرنا علوم نظریہ کے نہ ہونے اور مسلمانوں کو کافر قرار دینے پر عدم آگاہی پر دلیل ہے وہ اس بات کو نہ سمجھ سکے کیونکہ مسلمان کو کافر قرار دینا اس کے قتل کی طرح ہے جس طرح صحیح میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث آئی ہے خصوصاً ایسے آدمی پر ایسا الزام دینا جس کے فضل، علم اور امامت پر لوگ گواہی دیتے ہوں کہ یہ مسئلہ قطعی نہیں بلکہ جس پر انحصار ہے وہ اخبار احاد صحیحہ کا ظاہر ہے مگر عقل اس کو محال قرار نہیں دیتی شریعت میں بھی کوئی ایسی قطعی دلیل نہیں جو اس کے وقوع کو محال قرار دے۔

میں کہتا ہوں: بعض متاخرین نے کہا: جس نے یہ کہا یہ خارق للعادۃ امر کی نشانی ہے تو اسے کہا جائے گا: یہ ایسی نشانی ہوتی جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا اگر یہ کسی اور آیت کے مناقض نہ ہوتی وہ یہ ہے کہ آپ امی ہیں آپ لکھتے نہیں آپ کے امی امت میں امی ہونے سے حجت قائم ہو جاتی ہے، انکار کرنے والوں کو خاموش کرایا جا سکتا ہے اور شبہ ختم ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کیسے آپ کے ہاتھ کو یہ موقع دیتا کہ وہ لکھے اور ایک علامت بنے آیت تو یہ ہوتی وہ ہاتھ نہ لکھتا۔ معجزات کے بارے میں یہ محال ہے کہ وہ ایک دوسرے کا مقابلہ کریں۔ کتب واخذ القلم کا معنی ہے آپ نے اپنے کاتبوں میں سے کسی کو حکم دیا کہ وہ لکھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں چھبیس کاتب تھے۔

مسئلہ نمبر 3۔ قاضی عیاض نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں لکھا کرتے تھے (1) تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا: الق الدواۃ وحرف القلم واقم الباء وفرق السین ولا تعور المیم وحسن اللہ ومد الرحمن وجود الرحیم دوات رکھو اور قلم کو باریک کرو، باء کو لمبا کر کے لکھو، سین دندانے دار لکھو اور میم کو کانا کر کے نہ لکھو، اللہ کو خوبصورت لکھو، رحمن کو مد سے لکھو اور رحیم کو عمدگی سے لکھو۔

قاضی عیاض نے کہا: اس چیز کو ذہن نشین کر لو، اگرچہ یہ روایت ثابت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکھا کہ یہ کوئی بعید نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا علم دیا گیا ہو اور قراءت کتابت سے آپ کو روک دیا گیا ہو۔

میں کہتا ہوں: اس باب میں یہی صحیح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں لکھا ایک حرف بھی نہیں لکھا آپ نے کاتب کو لکھنے کا حکم

1۔ صحیح مسلم، کتاب الدجال، جلد 2، صفحہ 400

دیا اسی طرح آپ نے (کسی صحیفہ کو) نہیں پڑھا اور نہ ہی ہجے کیے۔ اگر یہ کہا جائے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کیا تو آپ نے ہجے کیے فرمایا: ''اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوا ک، ا، ف، ر(1)؟ جب کہ تم کہتے ہو کہ معجزہ اس صورت میں قائم ہے کہ آپ امی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انا امة امية لانکتب ولا نحسب ہم امی لوگ ہیں نہ لکھتے ہیں اور نہ حساب جانتے ہیں تو پھر یہ کس طرح؟ اس کا جواب وہ چیز ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ کی حدیث میں بیان کی ہے حدیث قرآن کی طرح ہے جس کا بعض بعض کی تفسیر بیان کرتا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: ''اسے ہر مومن کاتب اور غیر کاتب پڑھتا ہے''(2)۔ اس میں غیر کاتب جو امیوں میں سے ہے پر نص قائم کی ہے جو امر جلی ہے اس میں یہ سب سے واضح ہے۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۝۴۹

''بلکہ وہ روشن آیتیں ہیں جو ان کے سینوں میں محفوظ ہیں جنہیں علم دیا گیا اور ظالموں کے بغیر ہماری آیتوں کا کوئی انکار نہیں کرسکتا''۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ اس سے مراد قرآن ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: فراء نے حضرت عبد اللہ کی قراءت میں گمان کیا ہے بل هی آيات بينات معنی ہے بلکہ قرآن کی آیات، آیات بینات ہیں(3)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کی مثل هٰذَا بَصَآئِرُ (الاعراف: 203) ہے اگر یہ جائز ہے تو اس کی مثل هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ (الکہف: 98) بھی جائز ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس امت کو حفظ کی صلاحیت سے نوازا گیا اس امت سے پہلے کے لوگ اپنی کتابوں کو دیکھ کر ہی پڑھا کرتے تھے۔ جب وہ اسے بند کرتے تو سوائے انبیاء کے کوئی انہیں یاد رکھنے والا نہ ہوتا۔ حضرت کعب نے اس امت کی صفت بیان کرتے ہوئے کہا: یہ علماء و حکماء ہیں اور فقہ میں انبیاء ہیں۔ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ یعنی یہ قرآن اس طرح نہیں جس طرح باطل پرست کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے یا شعر ہے بلکہ یہ ایسی علامات اور دلائل ہیں جن کی مدد سے اللہ کا دین، اس کے احکام کی پہچان ہوتی ہے۔

یہ ان لوگوں کے سینوں میں اس طرح ہے جن کو علم عطا کیا گیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور مومنین ہیں وہ اسے یاد کرتے ہیں اور پڑھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے علم سے صفت بیان کی ہے کیونکہ انہوں نے اپنے ذہنوں سے اللہ تعالیٰ کے کلام، انسانوں اور شیاطین کے کلام میں امتیاز کیا ہے۔ قتادہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: هو ضمیر سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مراد اہل کتاب ہیں جو اپنے ہاں کتابوں میں لکھا ہوا پاتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفت ہے آپ امی ہیں نہ پڑھتے ہیں اور نہ ہی لکھتے ہیں، لیکن انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور انہوں نے بات کو چھپا دیا، یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ اس قول کی دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت اور ابن سمیقع کی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الدجال، جلد 2، صفحہ 400

2۔ الشفا بتعریف حقوق المصطفی، من معجزاته الباهرة، جلد 1، صفحہ 506

3۔ تفسیر طبری، جز 21، صفحہ 10

قراءت ہے بل ھذا آیات بینات حضور صلی اللہ علیہ وسلم آیات تھے ایک آیت نہ تھے کیونکہ آپ دین کے معاملہ میں آیات کثیرہ پر دلالت کرتے تھے، اسی وجہ سے فرمایا: بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بلکہ آیات بینات والے ہیں تو مضاف کو حذف کر دیا گیا۔ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ، ظالمون سے مراد کفار ہیں کیونکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور جو پیغام حق آپ لائے اس کا انکار کیا۔

وَ قَالُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَ لَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

''اور انہوں نے کہا: کیوں نہ اتاری گئیں ان پر نشانیاں ان کے رب کی طرف سے۔ آپ فرمایئے: نشانیاں تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں اور میں تو صرف صاف صاف ڈرانے والا ہوں کیا انہیں کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر اتاری ہے کتاب جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ بے شک اس میں رحمت اور نصیحت ہے مومنوں کے لیے۔ آپ فرمایئے: کافی ہے اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان گواہ، وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں باطل پر اور انکار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا وہی لوگ گھاٹے میں ہیں''۔

وَ قَالُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ یہ مشرکوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قول ہے۔ اس کا معنی ہے ان پر ایسی آیت کیوں نازل نہیں ہوئی جیسی آیات انبیاء پر نازل ہوئیں؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت صالح علیہ السلام کو اونٹنی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مردے زندہ کرنے کا معجزہ دیا گیا۔ قُلْ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ انہیں کہہ دیجئے۔ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ معجزات تو اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے ان کو لاتا ہے، جب چاہتا ہے انہیں بھیج دیتا ہے یہ میرے قبضہ میں تو نہیں۔

وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ابن کثیر، ابو بکر، حمزہ اور کسائی نے آیۃ پڑھا (1)۔ باقی قراء نے جمع کا صیغہ پڑھا ہے؛ یہ ابو عبید کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قل انما الآیات عند اللہ۔

اَوَ لَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ یہ ان کے قول: لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ کا جواب ہے کیا مشرکوں کے لیے آیات میں سے یہ معجزہ کتاب کافی نہیں جس کے ساتھ آپ نے انہیں چیلنج کیا کہ وہ اس کی مثل لے آئیں یا اس کی ایک سورت کی مثل لے آئیں تو وہ عاجز آ گئے۔ اگر آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام والے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 322

معجزات لے آتے تو وہ کہتے: یہ جادو ہے اور ہم جادو کو نہیں پہچانتے۔ کلام ان کی قدرت میں تھی اس کے باوجود وہ معارضہ سے عاجز آگئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس آیت کا سبب نزول وہ روایت ہے جسے ابو عیینہ نے عمرو بن دینار سے وہ حضرت یحییٰ بن جعدہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جب کہ آپ کے ہاتھ میں کتاب تھی فرمایا: ''کسی قوم کی گمراہی کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ اس چیز سے اعراض کرے جو ان کا نبی ان کے پاس لایا اور اس چیز کی طرف رغبت کریں جسے ان کے نبی کے علاوہ کوئی اور نبی لایا ہے یا اس کی طرف رغبت کریں جو ان کی کتاب کے علاوہ کوئی اور کتاب لائی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا'' (1)۔ اسے ابو محمد دارمی نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے۔

اہل تفسیر نے اسے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے، اسی کی مثل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا: ''اگر حضرت موسیٰ بن عمران زندہ ہوتے تو ان کے لیے میری پیروی کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہوتا'' (2)۔ اس کی مثل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وہ ہم میں سے نہیں جو قرآن کے ساتھ غیر سے غنی نہ ہوا''۔ یعنی اس کے ساتھ غیر سے مستغنی نہ ہوا۔ امام بخاری کی اس آیت کی تفسیر میں یہی تاویل ہے۔ جب قرآن کے ہر حرف کے عوض دس نیکیاں رب العالمین کی طرف سے ملتی ہیں تو کتاب کے کلام میں جو کچھ ہے اس کو کثرت سے پڑھو اس (قرآن) کو چھوڑ کر غیر کی طرف رغبت کرنا گمراہی، خسارہ اور دھوکہ اور نقصان ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ، ذلك سے مراد قرآن ہے، لَرَحْمَةً دنیا اور آخرت میں رحمت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دنیا میں رحمت ہے کیونکہ انہوں نے اپنے آپ کو گمراہی سے بچایا ہے۔ وَّ ذِكْرٰى دنیا میں نصیحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے ان کی حق کی طرف رہنمائی کی۔ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ شَهِيْدًا جو لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں ان سے کہہ دیجئے: اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہے میں جو دعویٰ کرتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ قرآن اس کی کتاب ہے وہ میری صداقت کی گواہی دیتا ہے۔ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس پر کوئی شے مخفی نہیں۔ یہ ان کے خلاف استدلال ہے تو اس نے ان کے بارے میں جو گواہی دی ہے وہ صحیح ہے کیونکہ وہ اس کے علم کا اقرار کرتے ہیں تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کی گواہی کا بھی اقرار کریں۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ یحییٰ بن سلام نے کہا: باطل سے مراد ابلیس ہے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد بتوں کی عبادت ہے؛ یہ ابن شجرہ نے کہا ہے وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ کیونکہ وہ اس کے رسولوں کو جھٹلاتے ہیں اور اس کی کتابوں کو جھٹلاتے ہیں اس لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ کا انکار کیا (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کفر سے مراد جو انہوں نے بتوں کو اس کا شریک ٹھہرایا اور اس کی طرف اولاد اور اضداد منسوب کیا۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ وہ آخرت میں اپنی ذاتوں اور اپنے اعمال میں خسارہ اٹھانے والے ہوں گے۔

وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۙ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ۭ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٥٣﴾ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ

1۔ سنن دارمی، من لم یر کتابۃ الحدیث، جلد 1، صفحہ 102، حدیث نمبر 484

2۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 3، صفحہ 338 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 289 4۔ ایضاً

بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٤﴾ يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَ يَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٥٥﴾

''وہ آپ سے جلدی عذاب نازل ہونے کا مطالبہ کرتے ہیں اور اگر میعاد مقرر نہ ہوتی تو آجاتا ان پر عذاب اور (اپنے وقت پر) وہ ان پر اچانک آئے گا اور انہیں ہوش تک نہ ہوگا۔ وہ آپ سے جلدی عذاب لانے کا مطالبہ کرتے ہیں (ذرا سی دیر ہے) جہنم یقیناً گھیر لے گا ان کافروں کو جس دن ڈھانپ لے گا انہیں عذاب ان کے اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا: لو اب چکھو اپنے کرتوتوں کا مزہ''۔

وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں عذاب سے ڈرایا تو انہوں نے انکار کی زیادتی کے طور پر کہا: وہ عذاب ہم پر جلدی لے آیئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بات کہنے والا النضر بن حارث اور ابو جہل تھا۔ دونوں نے کہا: اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ (الانفال: 32) اور ان کا یہ کہنا: رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾ (ص)

اللہ کا فرمان: وَ لَوْلَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّى اگر عذاب کے نازل ہونے میں معین وقت نہ ہوتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد ہے جو میں نے تم سے وعدہ کیا کہ میں تیری قوم کو عذاب نہ دوں گا اور قیامت تک انہیں مہلت دوں گا۔ اس کی وضاحت اس ارشاد میں ہے: بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ (القمر: 46) ضحاک نے کہا: یہ دنیا میں ان کی عمروں کی مدت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اجل مسمی سے مراد نفحہ اولیٰ ہے: یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ وقت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت اور ان کے عذاب کے لیے مقدر کیا ہے؛ یہ ابن شجرہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ غزوہ بدر کے موقع پر قتل ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے ہر عذاب کے لیے ایک اجل مقرر ہے نہ وہ پہلے ہوگی اور نہ ہی موخر ہوگی، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ (الانعام: 67) لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ یعنی وہ عذاب جس کی وہ جلدی مچاتے تھے وہ انہیں آپہنچے گا۔ وَ لَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً اس کا معنی اچانک ہے۔ وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ جب عذاب ان پر نازل ہوگا تو وہ اس کا علم نہ رکھیں گے۔

يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ جو آپ سے عذاب کے جلد لانے کا مطالبہ کرتے ہیں جب کہ ان کے لیے جہنم تیار کی گئی ہے وہ انہیں ہر حال میں گھیرے گی، تو پھر جلدی مچانے کا کیا فائدہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ یہ آیت حضرت عبد اللہ بن ابی امیہ اور اس کے مشرک ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی جب انہوں نے یہ کہا تھا: اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا (الاسراء: 92)

يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا تعلق ما قبل کلام سے ہے یعنی جس روز انہیں عذاب ان کے اوپر سے اور ان کے نیچے سے آپہنچے گا۔ جب اللہ تعالیٰ کا عذاب انہیں ڈھانپ لے گا تو جہنم ان کو گھیر لے گی۔ وَ مِنْ تَحْتِ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 290

اَنْہُجُلِہِمْ فرمایا: یہ مقاربہ کے لیے ہے ورنہ غشیان عموماً اوپر سے ہوتا ہے؛ جس طرح شاعر نے کہا:

عَلَفْتُهَا تِبْنًا وماءً ا بارِدًا

میں نے اسے گھاس کھلائی اور ٹھنڈا پانی پلایا۔

ایک اور شاعر نے کہا:

لقد کان قوادَ الجیادِ إلی العِدَا علیهن غابٌ من قَنًی ودروع

دشمن کی طرف جانے والے گھوڑوں کی قیادت کرنے والوں پر نیزوں اور زرہوں کا جنگل تھا۔

وَیَقُوْلُ ذُوْقُوْا اہل مدینہ اور اہل کوفہ نے نقول پڑھا۔ باقی قراء نے یاء کے ساتھ اسے پڑھا ہے۔ ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قُلْ کَفٰی بِاللّٰهِ (الرعد:43) یہ بھی احتمال ہے کہ وہ ملک موکل انہیں کہے: ذوقوا دونوں قرائتیں ایک ہی معنی کی طرف راجع ہیں، یعنی فرشتہ ہمارے حکم سے کہے گا: تم چکھو۔

یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۫ ثُمَّ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ﴿۵۸﴾ الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَ عَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ كَاَیِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖۗ اَللّٰهُ یَرْزُقُهَا وَ اِیَّاكُمْ ۖؗ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۶۰﴾

''اے میرے بندو! جو ایمان لے آئے ہو! میری زمین بڑی کشادہ ہے سو تم میری عبادت کیا کرو۔ ہر ایک موت کا مزہ چکھنے والا ہے پھر ہماری طرف ہی تم لوٹائے جاؤ گے اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے انہیں ہم ٹھہرائیں گے جنت کے بالا خانوں میں رواں ہوں گی جن کے نیچے نہریں وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے کتنا عمدہ صلہ ہے نیک کام کرنے والوں کا وہ جنہوں نے (ہر حال میں) صبر کیا اور صرف اپنے رب پر بھروسہ کیے ہوئے ہیں اور کتنے ہی زمین پر چلنے والے ہیں جو اٹھائے نہیں پھرتے اپنا رزق اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے انہیں بھی اور تمہیں بھی اور وہ سب باتیں سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے''۔

یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ یہ آیت نازل ہوئی تا کہ جو مومن مکہ مکرمہ میں ہیں انہیں ہجرت پر برانگیختہ کیا جائے، یہ مقاتل اور کلبی کا قول ہے (1)۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی زمین کی وسعت کی خبر دی اور یہ بتایا کہ ایسے علاقہ میں رہنا جہاں کفار کی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑے یہ درست نہیں، بلکہ درست یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں کے ساتھ اس کی زمین میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کو تلاش کرے یعنی اگر تمہیں ایمان کے اظہار میں تنگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو مدینہ کی طرف

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 383

ہجرت کر جاؤ وہ وسیع ہے کیونکہ وہاں توحید کا اظہار کرنا ممکن ہے۔ ابن جبیر اور عطا نے کہا: جہاں بھی ظلم اور منکر ہو وہاں اس آیت کا حکم مرتب ہوگا اور ایسے ملک کی طرف ہجرت کرنا لازم ہوگا جہاں حق ہو؛ یہ امام مالک کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: میری زمین وسیع ہے پس ہجرت کر جاؤ اور جہاد کرو۔ مطرف بن شخیر نے کہا: معنی ہے میری رحمت وسیع ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: میرا رزق تمہارے لیے وسیع ہے اسے زمین میں تلاش کرو۔ سفیان ثوری نے کہا: جب تو ایسے علاقے میں ہو جہاں مہنگائی ہو تو اس کے علاوہ کسی ایسے علاقہ کی طرف ہجرت کر جاؤ جہاں تیرا تھیلا ایک درہم کے بدلے میں روٹیوں سے بھر جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے میری زمین جو جنت کی زمین ہے وہ وسیع ہے۔

فَاعْبُدُوْنِ میری عبادت کرو تا کہ میں تمہیں اس کا مالک بنا دوں۔ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ، ایای یہ فعل مضمر کے ساتھ منصوب ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے فاعبدوا ایای فاعبدون یہ ایک فعل کی وجہ سے دوسرے فعل سے مستغنی ہوگیا۔ فایای میں فاء شرط کے معنی میں ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی: ان ضاق بکم موضع فایای فاعبدون فی غیرہ لأن أرضی واسعۃ۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ یہ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ یہاں اسے ذکر کیا یہ دنیا کے امر اور اس کے خوف کو حقیر ثابت کرنے کے لیے ہے، گویا بعض مومنوں نے انجام کے بارے میں یہ سوچا کہ اپنے وطن مکہ سے نکلنے میں یہ ہو سکتا ہے کہ وہ مر جائے، اسے بھوک آئے یا اس طرح کی کوئی مصیبت آ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے معاملہ کی حقارت بیان کی، یعنی تم لامحالہ مرو گے اور ہماری طرف اٹھائے جاؤ گے، اس لیے اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کی طرف ہجرت اور اس کے احکام کی بجا آوری کی طرف جلدی کرنی چاہیے۔ پھر ان مومنوں سے وعدہ کیا جو عمل کرتے ہیں کہ انہیں جنت میں رہائش دی جائے گی مقصود اللہ تعالیٰ کی جانب سے انہیں برانگیختہ کرنا ہے اس جزا کا ذکر کیا جس کو وہ پائیں گے پھر اس ارشاد کے ساتھ ان کی صفت بیان کی: الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ابو عمر، یعقوب، حجدری، ابن اسحاق، ابن محیصن، اعمش، حمزہ، کسائی اور خلف نے یا عبادی یاء کے سکون کے ساتھ پڑھا۔ باقی قراء نے اس یاء کو فتحہ دیا۔ اِنَّ اَرْضِیْ ابن عامر نے اسے فتحہ دیا اور باقی نے یاء کو سکون دیا۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من فر بدینه من أرض إلى أرض ولو قيد شبر استوجب الجنة وكان رفيق محمد وابراهيم عليهما السلام (1) جو اپنے دین کو بچانے کی خاطر ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف بھاگے اگرچہ بالشت بھر ہی ہو تو وہ جنت کا مستحق بن جاتا ہے وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رفیق ہوگا۔

ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ سلمی اور ابو بکر نے عاصم سے یہ قراءت نقل کی۔ یرجعون یعنی یاء کے ساتھ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ باقی قراء نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا بعض نے یہ اشعار پڑھے:

الموتُ فی كلِّ حينٍ يَنْشُدُ الكَفَنَا و نحن فی غفلةٍ عمّا يُرادُ بِنَا

1۔ تفسیر کشاف

لا ترکنَنَّ إلى الدنيا وزهرتها وان توشّحتَ من أثوابها الحسَنا

أين الأحبةُ والجيرانُ ما فعلُوا أين الذين هُمُو كانوا لها سكَنَا

سقاهُمُ الموتُ كأسًا غيرَ صافيةٍ صيّرهم تحت أطباقِ الثّرىَ رُهُنَا

موت ہر لحہ کفن کا ذکر کرتی ہے اور ہمارے بارے میں جو ارادہ کیا جا رہا ہے ہم اس سے غافل ہیں۔ تو دنیا اور اس کی تروتازگی کی طرف مائل نہ ہو اگرچہ تو اس سے اچھے کپڑے زیب تن کیے ہوئے ہو۔ محبوب اور پڑوسی کہاں ہیں انہوں نے جو کچھ کیا وہ کہاں ہیں جن کے یہ مکانات تھے۔ موت نے انہیں ایسا جام پلا دیا جو صاف نہ تھا موت نے انہیں مٹی کے نیچے رہن رکھ دیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا حضرت ابن مسعود، اعمش، یحییٰ بن وثاب، حمزہ اور کسائی نے لَنُثْوِيَنَّهُمْ با کی جگہ ثاء کے ساتھ قراءت کی ہے (1) اس سے مراد اقامت ہے یعنی ہم انہیں ایسے کمرے عطا کریں گے جس میں یہ قیام کریں گے۔ رویس نے یعقوب، جحدری اور سلمی سے لَيُبَوِّئَنَّهُمْ نون کی جگہ یاء کے ساتھ قراءت کی ہے۔ باقی قراء نے نون کے ساتھ قراءت کی ہے یعنی ہم انہیں ٹھہرائیں گے۔ غرفا یہ غرفۃ کی جمع ہے اس سے مراد بالائی کمرہ ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت سہل بن سعد سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جنتی اہل غرف کو اپنے اوپر یوں دیکھیں گے جس طرح تم روشن ستارہ دیکھتے ہو جو مشرق و مغرب کے افق میں باقی ماندہ دیکھتے ہو“ (2)۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم وہ انبیاء کی منازل ہیں کوئی اور ان تک نہیں پہنچ سکتا؟ فرمایا: ”کیوں نہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! وہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی“۔

امام ترمذی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جنت میں بالا خانے ہیں جن کے باہر والے حصے اندر سے اور اندر والے حصے باہر سے دکھائی دیتے ہیں“ (3)۔ ایک بدو اٹھا، عرض کی: یا رسول اللہ! یہ کن کے لیے ہوں گے؟ فرمایا: ”یہ ان کے لیے ہوں گے جو اچھی گفتگو کرے، کھانا کھلائے، ہمیشہ روزے رکھے اور راتوں کو نماز پڑھے، جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں“۔ ہم نے کتاب ”تذکرۃ“ میں کچھ زائد چیزیں ذکر کی ہیں؛ الحمدللہ۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ۔ واحدی نے یزید بن ہارون سے وہ حجاج بن منہال سے وہ زہری یعنی عبدالرحمن بن عطا سے وہ عطا سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے ایک باغ میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گرا ہوا پھل چننے لگے، اس سے کھانے لگے۔ فرمایا: ”اے ابن عمر! تجھے کیا ہو گیا ہے تو کھاتا نہیں؟“ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم مجھے طلب نہیں۔ فرمایا: ”لیکن مجھے طلب ہے یہ چوتھی صبح ہے میں نے کھانا چکھا تک نہیں اگر میں چاہتا تو اپنے رب سے دعا کرتا تو وہ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 324

2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا واہلہا، جلد 2، صفحہ 378

3۔ جامع ترمذی، ابواب صفۃ الجنۃ باب ماجاء فی صفۃ الجنۃ، جلد 2، صفحہ 75

مجھے قیصر و کسریٰ کے ملک جیسا ملک عطا کر دیتا، اے ابن عمر! تیرا کیا حال ہوگا جب تو ایسی قوم میں باقی رہے گا جو سال بھر کا رزق چھپا کر رکھیں گے اور یقین ان کا کمزور ہوگا"۔ فرمایا: تھوڑا وقت بھی نہیں گزرا تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی: وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ دَآبَّةٍ لَّا تَحۡمِلُ رِزۡقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرۡزُقُهَا وَاِيَّاكُمۡ ۖ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ۔

میں کہتا ہوں: یہ روایت ضعیف ہے اس کو ضعیف حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ معمول کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے گھر والوں کے لیے سال بھر کا رزق ذخیرہ کرتے۔ امام بخاری اور امام مسلم اس پر متفق ہیں۔ صحابہ کرام بھی ایسا کیا کرتے تھے جب کہ وہ مقتدیٰ تھے۔ اہل یقین تھے اور بعد میں آنے والے متقین اور متوکلین کے امام تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکہ مکرمہ میں مومنین سے فرمایا جب مشرکوں نے انہیں اذیتیں دیں: "مدینہ طیبہ کی طرف نکل چلو، ہجرت کرو اور ظالموں کے پڑوس میں نہ رہو"۔ عرض کی: وہاں ہمارا کوئی گھر نہیں، کوئی جانتا نہیں اور نہ ہی وہاں ہمارا کوئی ایسا رشتہ دار ہے جو ہمیں کھانا کھلائے اور ہمیں پانی پلائے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی: وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ دَآبَّةٍ لَّا تَحۡمِلُ رِزۡقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرۡزُقُهَا وَاِيَّاكُمۡ یعنی اس کے پاس ذخیرہ کیا ہوا رزق نہیں ہوتا، اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارا دار ہجرت میں رزق عطا فرمائے گا؛ یہ پہلے قول سے زیادہ مشابہ ہے۔ کاین کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ یہ ای ہے اس پر کاف تشبیہ داخل ہے اور اس میں کم کا معنی پیدا ہو گیا ہے۔ خلیل اور سیبویہ کے نزدیک اس کی تقدیر عدد کی طرح ہے، یعنی چوپاؤں میں سے کثیر تعداد۔ مجاہد نے کہا: یعنی پرندے اور چوپائے جو اپنے منہ سے کھاتے ہیں اور کوئی چیز اٹھا کر نہیں لاتے (1)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ اس وقت ہی کھاتے ہیں اور کل کے لیے ذخیرہ نہیں کرتے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لا تحمل رزقھا وہ اپنے رزق پر قادر نہیں اللہ یرزقھا جہاں بھی جائیں اللہ تعالیٰ انہیں رزق عطا فرماتا ہے وہ تمہیں بھی رزق عطا فرمائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا: حمل، حمالہ کے معنی میں ہے۔ نقاش نے حکایت بیان کی ہے: مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات ہے آپ کھاتے اور ذخیرہ نہ کرتے (3)۔

میں کہتا ہوں: یہ تعبیر کچھ بھی نہیں کیوں کہ دابہ کا لفظ مطلق ہے عرف میں اس کا استعمال آدمی پر نہیں ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر کیسے ہوگا؟ سورۃ النمل میں یہ بحث گزر چکی ہے؟ وَاِذَا وَقَعَ الۡقَوۡلُ عَلَيۡهِمۡ اَخۡرَجۡنَا لَهُمۡ دَآبَّةً مِّنَ الۡاَرۡضِ تُكَلِّمُهُمۡ (النمل: 82) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: دواب سے مراد ہر وہ حیوان ہے جو رینگے ان میں سے انسان، چیونٹی اور چوہے کے سوا کوئی بھی خوراک کا ذخیرہ نہیں کرتا۔ بعض لوگوں سے یہ مروی ہے کہ میں نے بلبل کو دیکھا وہ اپنے دامن میں ذخیرہ کر رہی تھی۔ عقعق کو مخابی کہا جاتا ہے مگر وہ اسے بھول جاتا ہے۔

اَللّٰهُ يَرۡزُقُهَا وَاِيَّاكُمۡ حریص اور جو رزق میں توکل کرتا ہے، رغبت کرنے والے اور قانع، حیلہ کرنے والے اور عاجز میں برابری کرتا ہے تاکہ محنت کرنے والا دھوکہ میں مبتلا نہ ہو جائے کہ وہ اپنی کوشش کی وجہ سے رزق دیا جائے گا اور عاجز تصور نہ کرے کہ عجز کی وجہ سے اسے رزق سے روک دیا جائے گا۔ صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مروی ہے: لو انکم توکلون علی اللہ حق توکلہ لرزقکم کما یرزق الطیر تغدو خماصا و تروح بطانا اگر تم اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے جس طرح توکل کرنے کا حق تھا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 293 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

تو وہ تمہیں رزق دیتا جس طرح وہ پرندوں کو رزق دیتا ہے وہ صبح خالی پیٹ جاتے ہیں اور بھرے پیٹ واپس آتے ہیں۔ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وہ تمہاری دعا اور قول کو سنتا ہے کہ ہم مدینہ طیبہ میں ایسی کوئی چیز نہیں پاتے جس کو ہم خرچ کریں اور تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اسے بھی جانتا ہے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ۚ فَأَنّٰى يُؤْفَكُونَ ﴿٦١﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٦٢﴾

"اور (اے حبیب!) اگر آپ پوچھیں ان (مشرکوں) سے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور کس نے فرمانبردار بنایا ہے سورج اور چاند کو تو وہ ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے پھر وہ کہاں توحید سے پھرے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کشادہ کرتا ہے رزق کو جس کے لیے چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور تنگ کرتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے"۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ جب مشرکوں نے مسلمانوں کو فقر کی عار دلائی اور کہا: اگر تم حق پر ہوتے تو تم فقراء نہ ہوتے یہ ملمع سازی تھی۔ کفار میں بھی فقراء تھے اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کو زائل فرمایا۔ اس طرح اس کا قول جس نے یہ کہا: اگر ہم ہجرت کریں تو ہم ایسی کوئی چیز نہ پائیں جس کو ہم خرچ کریں، یعنی جب تم نے اس چیز کا اعتراف کر لیا کہ اللہ تعالیٰ ان اشیاء کا خالق ہے تو تم رزق میں کیسے شک کرتے ہو جس کے قبضۂ قدرت میں کائنات کی تخلیق ہے تو وہ بندے کو رزق دینے سے عاجز نہیں۔ اسی وجہ سے اپنے اس ارشاد کے ساتھ اس کو ملایا ہے: اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ۔ فَأَنّٰى يُؤْفَكُونَ تم کیسے میری توحید کا انکار کرو گے اور میری عبادت سے پھرو گے؟ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ یعنی ایمان اور کفر کے ساتھ رزق کا امر مختلف نہیں ہوتا رزق میں وسعت اور اس میں کمی اس کی جانب سے ہے اس لیے فقر کی وجہ سے عار نہیں دلائی جا سکتی۔ ہر شے قضا و قدر کے ساتھ ہے إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ وہ تمہارے احوال اور امور سے آگاہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مال میں کمی یا وسعت جو مناسب ہے اس کے بارے میں وہ جانتا ہے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٦٣﴾ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ إِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَإِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٦٤﴾

"اور اگر آپ پوچھیں ان سے کہ کس نے اتارا آسمان سے پانی پھر زندہ کر دیا اس کے ساتھ زمین کو اس کے بنجر بن جانے کے بعد تو ضرور کہیں گے: اللہ تعالیٰ نے، آپ فرمائیے: الحمد للہ (حق واضح ہو گیا) بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نادان ہیں، اور نہیں یہ دنیوی زندگی مگر لہو و لعب اور دار آخرت کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے (جسے موت

نہیں) کاش! وہ اس حقیقت کو جانتے''۔

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً یعنی بادل سے بارش۔ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا اس کو خشک سالی اور اس کے اہل کے قحط میں مبتلا ہونے کے بعد۔

لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ یعنی جب تم نے اس کا اقرار کرلیا تو تم اس کے ساتھ کیوں شرک کرتے ہو اور دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرتے ہو۔ جب وہ اس پر قادر ہے تو مومنوں کو غنی کرنے پر بھی قادر ہے تو تاکید کے لیے اسے مکرر ذکر کیا۔ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ یعنی اس کی قدرت پر جو دلائل اور براہین واضح کیے گئے اس پر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ لیکن اکثر ان دلائل میں تدبر نہیں کرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے اقرار کیا اس پر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پانی کے نازل کرنے اور زمین کو زندہ کرنے پر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔

وَ مَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ یعنی دنیاوی زندگی ایسی چیز ہے جس کے ساتھ لہو ولعب کیا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اغنیاء کو جو دنیا عطا فرماتا ہے وہ ایسی چیز ہے جو زائل ہو جاتی ہے جس طرح کھیل کود اس کی کوئی حقیقت نہیں اس میں کوئی ثبات نہیں۔ بعض نے کہا: دنیا اگر تیرے لیے باقی رہی تو تو اس کے لیے باقی نہیں رہے گا۔ یہ اشعار پڑھے:

تروحُ لنا الدنیا بغیر الذی غَدَتْ و تَحدثُ من بعدِ الأمور أمورُ
وتجرِی اللیالِ باجتماعٍ وفُرقةٍ وتطلُعُ فیها أنجمٌ و تَغورُ
فمن ظنّ أنّ الدهر باقٍ سرورہ فذاكَ محالٌ لا یَدُومُ سرورُ
عَفَا اللهُ عمّن صیّر الهمَّ واحدًا وأیقن أن الدائراتِ تدورُ

دنیا شام کو ہمارے لیے ایسی چیز لاتی ہے جو اس کے برعکس ہے جس کو صبح لائی تھی اور اس کے بعد نئے امور جنم لیتے ہیں۔ راتیں اجتماع اور فرقت کے ساتھ رواں رہتی ہیں اور اس میں ستارے طلوع ہوتے ہیں اور چھپ جاتے ہیں جس نے یہ گمان کیا کہ زمانے کی خوشی باقی رہنے والی ہے یہ محال ہے اس کی خوشی ہمیشہ نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمائے جس نے غم ایک ہی بنالیا ہے اور اس نے یقین کرلیا ہے کہ حادثات گردش کرتے رہتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ سب کچھ امور دنیا کے متعلق ہے وہ مال ہو، جاہ وحشمت ہو، ضرورت سے زائد لباس ہو، وہ ضرورت جس پر زندگی کا انحصار ہے اور طاعات پر قوت ہے ان میں سے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں تو وہ آخرت کی چیزوں میں سے ہیں وہ باقی رہیں گی، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَّ یَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ۞ (الرحمن) یعنی جس کے ساتھ اس کے لیے ثواب اور رضا کو چاہا جاتا ہے۔ وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ یعنی باقی رہنے والی زندگی کا گھر جو نہ زائل ہو اور نہ اس میں موت آئے۔ ابو عبیدہ نے گمان کیا ہے: حیوان، حیاۃ اور حی جب حاء کے کسرہ کے ساتھ ہو تو سب ایک معنی میں ہیں (1)۔ جس طرح فرمایا:

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 293

قد تری إذ الحیاۃ حِیِیْ

تو جانتا ہے کہ حیاۃ حی (زندگی) ہے۔ دوسرے علماء کہتے ہیں: حِیِ یہ جمع کا صیغہ ہے فعول کے وزن پر ہے جس طرح عصی۔ حیوان کا لفظ ہر زندہ چیز پر واقع ہوتا ہے۔ حیوان جنت میں ایک چشمہ بھی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حیوان کی اصل حَیَیَان ہے ایک یاء کو واؤ سے بدل دیا کیونکہ دو حرف ایک جنس کے اکٹھے آئے ہیں۔ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ کاش وہ جانتے کہ یہ اس طرح ہے۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۗ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

"پھر جب سوار ہوتے ہیں کشتی میں تو دعا مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ سے خالص کرتے ہوئے اس کے لیے اپنے ذہن کو، پھر جب وہ سلامتی سے پہنچا تا ہے انہیں خشکی پر تو اسی وقت وہ شرک کرنے لگتے ہیں۔ وہ ناشکری کر لیں جو نعمت ہم نے انہیں دی اور لطف اٹھالیں (اس سے) وہ عنقریب جان لیں گے (حقیقت کو)"۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ، فلک سے مراد کشتیاں ہیں جب وہ کشتیوں میں سوار ہوئے اور انہیں غرق ہونے کا خوف ہوا۔ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ اپنی نیتوں میں صادق بنتے ہوئے انہوں نے دعا کی بتوں کی عبادت اور ان کے پکارنے کو چھوڑا فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ جب اللہ تعالیٰ انہیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ اوروں کو پکارتے ہیں جب کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کا شرک یہ ہے کہ ان میں سے ایک قائل یہ کہتا ہے: لولا اللہ والرئیس الملاح لغرقنا اگر اللہ، رئیس یا ملاح نہ ہوتا تو ہم غرق ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو نجات عطا فرمائی ہے اس کے فعل کو اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان تقسیم کرتے ہیں۔

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں دونوں لام لام کی ہیں، مراد ہے لکی یکفروا ولکی یتمتعوا ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ تا کہ ان کے شرک کا ثمرہ یہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کریں اور دنیا سے لطف اندوز ہوں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دونوں لام امر ہیں جس کا معنی تہدید اور وعید ہے یعنی ہم نے تمہیں جو نعمتیں دی ہیں اور تمہیں جو سمندر سے نجات عطا فرمائی ہے اس کا انکار کرو۔ اس کی دلیل حضرت ابی کی قراءت وتمتعوا ہے۔ ابن انباری نے کہا: اعمش، نافع اور حمزہ کی قراءت اس کو قوت بہم پہنچاتی ہے۔ وہ ولیتمتعوا لام کے جزم کے ساتھ ہے۔ نحاس نے کہا: ولیتمتعوا لام کی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ لام امر ہو کیونکہ لام امر میں اصل کسرہ ہے، مگر یہ ایسا امر ہے جس میں تہدید کا معنی پایا جاتا ہے۔ جس نے ولیتمتعوا لام کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے اس نے اسے لام کی نہیں بنایا، کیونکہ لام کی ساکن پڑھنا جائز نہیں۔ یہ ابن کثیر، مسیبی، قالون کی نافع سے، حمزہ، کسائی اور حفص کی عاصم سے روایت ہے باقی قراء نے لام کے کسرہ کے ساتھ قراءت کی

ہے۔ ابو العالیہ نے لیکفروا بما آتیناھم فتمتعوا فسوف تعلمون قراءت کی اس میں تہدید اور وعید ہے۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ یُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَكْفُرُوْنَ ۝۶۷ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًی لِّلْكٰفِرِیْنَ ۝۶۸

''کیا انہوں نے (غور سے) نہیں دیکھا کہ ہم نے بنا دیا ہے حرم کو امن والا حالانکہ اچک لیا جاتا ہے لوگوں کو ان کے آس پاس سے کیا وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں؟ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں۔ اور کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان لگایا یا حق کو جھٹلایا جب وہ اس کے پاس آیا، کیا نہیں ہے جہنم میں ٹھکانا کفار کے لیے''۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا عبد الرحمن بن زید نے کہا: حرم سے مراد مکہ مکرمہ ہے وہ قریش ہیں مکہ مکرمہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں امن دیا (1)۔ وَّ یُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ضحاک نے کہا: وہ ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو قیدی بنا لیتے ہیں (2)۔ خطف کا معنی تیزی سے اچک لینا ہے۔ سورۂ قصص اور دوسری صورتوں میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ نعمت یاد دلائی تاکہ وہ اس کی اطاعت بجا لائیں یعنی میں نے ان کے لیے امن والا حرم بنایا جس میں وہ قید، غارت گری اور قتل سے امن میں ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں خشکی میں نجات عطا فرمائی ہے جس طرح سمندر میں انہیں نجات عطا فرمائی۔ وہ خشکی میں شرک کرتے ہیں اور سمندر میں شرک نہیں کرتے: یہ ان کے احوال کے تناقص پر تعجب کا اظہار ہے۔ اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ قتادہ نے کہا: باطل سے مراد شرک ہے۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: باطل سے مراد ابلیس ہے وَ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَكْفُرُوْنَ (3)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نعمت سے مراد عافیت ہے۔ ابن شجرہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کا احسان اور عطا مراد ہے (4)۔ ابن سلام نے کہا: اس سے مراد وہ ہدایت ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لائے۔ نقاش نے کہا: مراد بھوک میں انہیں کھانا کھلانے اور خوف سے امن دینے کا وہ انکار کرتے ہیں (5)۔ یہ تعجب و انکار ہے جو استفہام کے طریقہ پر کلام آئی ہے۔

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا جس آدمی نے اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا اور اس کا بچہ تسلیم کیا اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں۔ جب بھی کوئی برا فعل کیا تو کہا: وَجَدْنَا عَلَیْهَاۤ اٰبَآءَنَا وَ اللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا (الاعراف: 28) ہم نے اپنے آباء کو ایسا کرتے ہوئے پایا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا۔ اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ یحییٰ بن سلام نے کہا: بالحق سے مراد قرآن ہے (6)۔ سدی نے کہا: مراد توحید ہے (7)۔ ابن شجرہ نے کہا: مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ یہ قول دونوں قولوں کو جامع ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 325 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 294 4۔ ایضاً
5۔ ایضاً 6۔ ایضاً 7۔ ایضاً

اَلَیۡسَ فِیۡ جَہَنَّمَ مَثۡوًی لِّلۡکٰفِرِیۡنَ مثوی سے مراد مستقر ہے یہ استفہام تقریر ہے۔

وَالَّذِیۡنَ جَاہَدُوۡا فِیۡنَا لَنَہۡدِیَنَّہُمۡ سُبُلَنَا ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۶۹﴾

''اور جو (بلند ہمت) مصروف جہاد رہتے ہیں ہمیں راضی کرنے کے لیے ہم ضرور دکھادیں گے انہیں اپنے راستے، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ (بروقت) محسنین کے ساتھ ہے''۔

وَالَّذِیۡنَ جَاہَدُوۡا فِیۡنَا یعنی جنہوں نے کفار سے ہماری رضا کی خاطر جہاد کیا۔ سدی وغیرہ نے کہا: یہ آیت جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے نازل ہوئی۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ جہاد عرفی سے پہلے نازل ہوئی (1)۔ یہ اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی رضا کی خاطر عام جہاد ہے۔ حضرت حسن بن ابی الحسن نے کہا: یہ آیت عبادت گزاروں کے حق میں نازل ہوئی (2)۔ حضرت ابن عباس اور ابراہیم بن ادہم نے کہا: یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی جو جسے جانتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: من عمل بما علم علمه الله مالم يعلم (3) جو اس پر عمل کرے جسے وہ جانتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کی تعلیم دیتا ہے جسے وہ نہیں جانتا۔ بعض علماء نے اسے اس ارشاد کی طرف منسوب کیا ہے: وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ وَیُعَلِّمُکُمُ اللّٰہُ (البقرہ:282) حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا: جس چیز کے علم سے ہم جاہل ہیں اس کے علم سے ہمیں اس چیز نے روک دیا جو ہم اس چیز پر عمل کرنے سے کوتاہی کرتے ہیں جس کا ہم علم رکھتے ہیں اگر ہم جو کچھ جانتے ہیں اس کے بعض پر بھی عمل کرتے تو اللہ تعالیٰ ہمیں اس چیز کا علم عطا فرمادیتا کہ ہمارے بدن اس کو اٹھا نہ سکتے (4)۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ وَیُعَلِّمُکُمُ اللّٰہُ (البقرہ:282) ابو سلیمان دارمی نے کہا: آیت میں جہاد کا مصداق صرف کفار سے جہاد نہیں بلکہ اس سے مراد دین کی مدد ہے اور باطل پرستوں کا رد ہے، ظالموں کا قلع قمع کرنا ہے، معروف کی نصیحت کرنا ہے اور منکر سے منع کرنا ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کی طاعت میں نفوس کا مجاہدہ ہے اور یہی جہاد اکبر ہے۔ سفیان بن عیینہ نے حضرت ابن مبارک سے کہا: جب تو لوگوں کو دیکھے کہ وہ اختلاف میں پڑ گئے ہیں تو مجاہدین اور سرحدوں کی حفاظت کرنے والوں کے ساتھ ہو جاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: لَنَہۡدِیَنَّہُمۡ۔ ضحاک نے کہا: آیت کا معنی ہے جنہوں نے ہجرت میں جہاد کیا ہم انہیں ایمان پر ثابت قدم رہنے کے راستوں کی طرف ہدایت عطا فرمائیں گے (5)۔ پھر فرمایا: دنیا میں سنت ایسے ہی ہے جس طرح آخرت میں جنت۔ جو آخرت میں جنت میں داخل ہو گیا وہ سلامتی پا گیا۔ اسی طرح وہ آدمی جو دنیا میں سنت کو لازم پکڑتا ہے وہ سلامت رہتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا: جو لوگ ہماری اطاعت میں جہاد کرتے ہیں ہم انہیں اپنے ثواب کے راستوں کی طرف ہدایت عطا فرمائیں گے۔ یہ قول طاعت کے عموم کی وجہ سے تمام اقوال کو شامل ہے، اسی کی مثل حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا قول ہے فرمایا: حکمت کہتی ہے جو مجھے تلاش کرلے اور مجھے نہ پائے تو وہ مجھے دو مواقع پر تلاش کرے۔ (۱) جس چیز کو جانتا ہے اس میں سے اچھی پر عمل کرے (۲) جو چیز جانتا ہے اس میں سے بری سے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 326
2۔ ایضاً
3۔ الحلیۃ ابو نعیم حدیث انس بن مالک
4۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 326
5۔ ایضاً

اجتناب کرے۔ حضرت حسن بن فضل نے کہا: اس میں تقدیم وتاخیر ہے مراد ہے جن کو ہم نے ہدایت عطا فرمائی وہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہماری رضا کی خاطر جہاد کیا۔

لَنَهۡدِيَنَّهُمۡ سُبُلَنَا مراد جنت کا راستہ ہے؛ یہ سدی کا قول ہے۔ نقاش نے کہا: اللہ تعالیٰ انہیں دین حق کی توفیق نصیب فرماتا ہے۔ یوسف بن اسباط نے کہا: معنی ہے ہم ان کی نیتوں، صدقات، نمازوں اور روزوں کو خالص کر دیں گے (1)۔ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ لام تاکید کا ہے مع پر دو وجوہ میں سے ایک وجہ سے داخل ہوا ہے (۱) مع اسم ہو اور لام تاکید اسماء پر داخل ہوتا ہے (۲) یہ حرف ہے اور اس پر لام داخل ہوا ہے کیونکہ اس میں استقرار کا معنی پایا جاتا ہے، جس طرح تو کہتا ہے: ان زیدا لفی الدار، مع کو جب تو ساکن پڑھے تو یہ حرف نہیں ہوگا کوئی اور چیز نہ ہوگی۔ جب تو اس کو فتحہ دے تو یہ جائز ہے کہ اسم ہو اور حرف ہو۔ اکثر علماء کی رائے میں یہ حرف ہے جو معنی کے لیے آیا۔ احسان اور محسنین کی وضاحت سورۂ بقرہ اور دوسری سورتوں میں گزر چکی ہے۔

انہیں اللہ تعالیٰ کی معیت، نصرت، معونت، حفظ اور ہدایت کے ساتھ حاصل ہوتی ہے اور سب مخلوق کو معیت احاطہ اور قدرت کے ساتھ حاصل ہوتی ہے دونوں معیتوں میں بڑا فرق ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 326